ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
www.tanzeem.org
37

27ذوالقعدہ تا3ذوالحجہ1435ھ/23تا29ستمبر2014ء

مسلمانوں کے لئے اجتماعی زندگی کی اہمیت

”شریعت نے مسلمانوں کے لئے جہاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کر دیئے ہیں وہاں ان کے لئے ایک اجتماعی نظام بھی قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ زندگی اجتماع کا نام ہے۔ افراد یا اشخاص کوئی شے نہیں۔ جب کوئی قوم اس نظام کو ترک کر دیتی ہے تو گو اس کے افراد فرداً کتنے ہی شخصی اعمال و عادات میں سرگرم ہوں، لیکن یہ سرگرمیاں اجتماعی نظام کے بارے میں کچھ سودمند نہیں ہو سکتیں، اور قوم جماعتی معصیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

قرآن وسنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے، اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی جماعتی نظام کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری کی پوری قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھی نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے۔ آج مسلمانانِ عالم جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔
کتاب وسنت نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں: تمام لوگ کسی ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ہو جائیں اور وہ ان کا امام ہو۔ وہ جو کچھ تعلیم دے، ایمان و صداقت کے ساتھ قبول کریں۔ یعنی قرآن وسنت کے ماتحت اس کے جو کچھ احکام ہوں، ان کی بلاچون وچرا تعمیل واطاعت کریں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ایک بھیڑ ہے، ایک انبوہ ہے، جانوروں کا ایک جنگل ہے، کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے، مگر نہ تو ”جماعت“ ہے نہ ”امت“ نہ ”قوم“ نہ ”اجتماع“۔ اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں، کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں، قطرے ہیں مگر دریا نہیں، کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں، مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کر سکتی ہے۔“

مسئلۂ خلافت
مولانا ابوالکلام آزاد

اس شمارے میں

آزادی

تکذیب آیات کا انجام

اس سے بڑا نہیں کوئی المیہ

امت مسلمہ کی زبوں حالی

حج بیت اللہ اور خطبۂ حجۃ الوداع

مغربی مفکرین کے نزدیک مسلمان انسان نہیں

ایٹمی پروگرام کو لاحق خطرات

دین قربانی مانگتا ہے

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بیٹیوں کی پیدائش پر اہلِ جاہلیت کی کیفیت

سورۃ النحل | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات 57 تا 60

وَ یَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰہِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَہٗ ۙ وَ لَہُمۡ مَّا یَشۡتَہُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمۡ بِالۡاُنۡثٰی ظَلَّ وَجۡہُہٗ مُسۡوَدًّا وَّ ہُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۵۸﴾ یَتَوَارٰی مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ ؕ اَیُمۡسِکُہٗ عَلٰی ہُوۡنٍ اَمۡ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ مَثَلُ السَّوۡءِ ۚ وَ لِلّٰہِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۶۰﴾

آیت ۵۷ ﴿وَیَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰہِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَہٗ لا وَلَہُمۡ مَّا یَشۡتَہُوۡنَ ﴿۵۷﴾﴾ ’’اور وہ بناتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں‘ وہ پاک ہے (اس سے)‘ اور خود اُن کے لیے وہ کچھ جو انہیں پسند ہے!‘‘

اللہ تعالیٰ کی اولاد کے طور پر وہ لوگ اس سے بیٹیاں منسوب کرتے ہیں جبکہ خود اپنے لیے وہ بیٹے پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز بھی کی تو بیٹیاں تجویز کیں‘ جو خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

آیت ۵۸ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمۡ بِالۡاُنۡثٰی ظَلَّ وَجۡہُہٗ مُسۡوَدًّا وَّہُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۵۸﴾﴾ ’’اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (اندر ہی اندر) رنج و غم سے گھٹتا رہتا ہے۔‘‘

آیت ۵۹ ﴿یَتَوَارٰی مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ ط﴾ ’’وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بُری خبر کی وجہ سے جو اُسے دی گئی۔‘‘

جب اسے خوشخبری دی جاتی ہے کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے تو اسے ایک منحوس خبر خیال کرتا ہے اور یوں محسوس کرتا ہے کہ اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور ہر وقت اسی شش و پنج میں رہتا ہے کہ:

﴿اَیُمۡسِکُہٗ عَلٰی ہُوۡنٍ اَمۡ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ط﴾ ’’کیا وہ اسے ذِلّت کے باوجود روکے رکھے یا مٹی میں دفن کر دے؟‘‘

﴿اَلَا سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۵۹﴾﴾ ’’آگاہ رہو‘ بہت ہی برا ہے جو فیصلہ وہ کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۶۰ ﴿لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ مَثَلُ السَّوۡءِ ج﴾ ’’ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بُری مثال ہے۔‘‘

﴿وَلِلّٰہِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی ط وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۶۰﴾﴾ ’’اور اللہ کی صفت نہایت بلند ہے۔ اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا۔‘‘

عقیدۂ آخرت کے حوالے سے یہ حقیقت لائق توجہ ہے کہ یہ عقیدہ دُنیوی زندگی میں انسانی اعمال پر تمام عوامل سے بڑھ کر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں آخرت اور ایمان بالآخرت کے بارے میں بہت تکرار پائی جاتی ہے۔

فرمانِ نبویؐ

جنت کی ضمانت

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَابَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ)) (رواہ البخاری)

حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص مجھے ضمانت دے اپنی زبان اور شرمگاہ کی (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اُس کے لیے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔‘‘

تشریح: انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے‘ وہ انسان کی شرمگاہ ہے۔ اس لیے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا‘ اور شہوتِ نفس کو بھی اللہ کے احکام کا پابند رکھے گا‘ میں اس کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
27 ذوالقعدہ تا 3 ذوالحجہ 1435ھ جلد 23
23 تا 29 ستمبر 2014ء شمارہ 37
مدیر مسئول حافظ عاکف سعید
مدیر ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر محبوب الحق عاجز
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آزادی

آزادی انسان کی فطرت کا حصہ ہے۔ جسمانی ہی نہیں، ذہنی آزادی بھی ایک صحت منداور توانا معاشرے کی ناگزیر ضرورت ہے۔ لیکن یہ آزادی ایک ایسا پل صراط ہے جس پر سے توازن قائم رکھ کر گزرنا کوئی آسان کام نہیں۔ جہاں غلامی کی زنجیروں کو ریزہ ریزہ کر دینا معاشرے کی ایسی ضرورت ہے جس کے لیے جہاد ہر فرد پر لازم ہے۔ وہاں آزادی کا استعمال کسی اصول کی بنیاد پر اور خود معاشرے کے قائم کردہ حدود وقیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہوگا۔ تب ہی وہ معاشرہ صحیح خطوط پر نشوونما پائے گا اور ایک مطلوب صحت منداور توانا سوسائٹی وجود میں آسکے گی۔ یہ بات بالکل دوسری ہے کہ آزادی کیا ہے اور فرد اِس سے کس حد تک اور کس انداز میں مستفید ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے ہر گروہ یا قوم کے اصول وضوابط مختلف ہوں گے۔ ایک مذہبی ریاست میں مذہب ایسے اصول اور ضوابط وضع کرے گا اور ایک قومی ریاست میں وہاں کے سیاسی اور ثقافتی مزاج کے مطابق یہ اصول ہوں گے۔ گویا ہر ریاست میں آزادی کا تصور اس ریاست کے بنیادی نظریہ سے ہم آہنگ ہوگا۔

برصغیر کا وہ حصہ جسے کاٹ کر ہم نے پاکستان بنایا تھا، بدقسمتی سے اس حوالہ سے بہت سے ابہام (confusions) کا شکار ہوگیا یا کر دیا گیا۔ اس کی تفصیلات کچھ یوں ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو دو دشمنوں کا سامنا تھا: ایک حکمران انگریز اور دوسری ہندو اکثریت۔ اور یہ دشمنی بلاوجہ نہ تھی۔ انگریز نے اقتدار مسلمانوں سے بزور بازو چھینا تھا اور مسلمان یہ اقتدار بزور بازو واپس لینا چاہتے تھے۔ کبھی 1857ء کی کھلی بغاوت کے ذریعے جسے ہم جنگ آزادی اور انگریز غدر کے نام سے پکارتا ہے، اور کبھی ریشمی رومال اور اس جیسی کئی خفیہ تحریکوں کے ذریعے۔ لہٰذا مسلمان کو انگریز نے ٹارگٹ کیا۔ ہندو بنیادی طور پر ایک احسان فراموش قوم ہے۔ یہ ایک طویل داستان ہے، مختصراً یہ کہ انہیں محمود غزنوی کے حملے اور اورنگ زیب عالمگیر کی اسلامائزیشن تو یاد رہی لیکن اکبر کی بے پناہ اور بے جا فراخدلی کو بھول گئے اور مسلمان کے سخت ترین دشمن ثابت ہوئے۔ ایک آزاد اسلامی ریاست یا مسلمانوں کا ملک بنانے میں مسلمانانِ ہند کو اپنے بعض مسلمان دانشوروں اور جمعیت علمائے ہند جیسی ایک بڑی مذہبی جماعت کی مخالفت کا بھی سامنا تھا۔ یعنی ہندوستان کے وہ مسلمان جو پاکستان بنانا چاہتے تھے انہیں سہ مکھی جنگ لڑنا پڑ رہی تھی۔

لندن میں منعقد ہونے والی دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے دوران علامہ اقبال نے قائداعظم سے طویل ملاقاتیں کیں اور انہیں ہندوستان آنے پر رضامند کر لیا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ ہندوستان میں آزادی کی تحریک کو اسلام کا انجکشن لگائیں۔ 1937ء کے انتخابات نے ثابت کر دیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قیادت کا دعویٰ کرنے والی مسلم لیگ عوام میں ابھی جڑیں نہیں رکھتی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں سے ہی معاملات مبہم ہوئے۔ ایک ایسی قیادت اسلام کے نام پر ملک حاصل کرنے کے لیے تحریک چلا رہی تھی جس کا عملی اسلام سے اپنا کوئی تعلق نہ تھا۔ اگرچہ قیادت کی اکثریت دیانت دار تھی اور اسلام کے حوالے سے اس تصور کے ساتھ مخلص تھے کہ جب مسلمان آزاد ہوں گے اور خود ہی حکمران ہوں گے تو دوسرے کسی نظام کے نفاذ کا

سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہوگا۔ پھر یہ کہ 1937ء کے انتخابات کے نتیجہ میں جب ہر صوبہ میں کانگریسی حکومت بن گئی اور مسلمانوں کو ہندو کی حکمرانی سے براہ راست واسطہ پڑا تو یہ تجربہ انتہائی تلخ ثابت ہوا اور ناقابل برداشت صورت اختیار کر گیا لہٰذا 1946ء کے انتخابات میں مسلمانوں نے مسلم لیگ کو ووٹوں سے لاد دیا اور وہ مسلمانوں کی تمام نشستیں جیت گئی۔ یہ ایک ردعمل تھا۔ لہٰذا اُن لوگوں کی بات کو بھی مکمل طور پر مسترد نہیں کیا جاسکتا جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند نے ہندو کے اقتصادی اور سیاسی جبر سے بچنے کے لئے پاکستان بنایا تھا۔ تاریخ تحریک پاکستان کا ہر وہ طالب علم جو منصفانہ سوچ رکھتا ہوگا وہ اُسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ تحریک آزادی کو قائداعظم نے علامہ اقبال کے مشورہ پر مذہب کا جو انجکشن لگایا تھا وہی یقیناً فیصلہ کن تھا، لیکن ہندوؤں کے رویے نے خصوصاً اقتصادی جکڑ بندی نے بھی مسلمانوں کو الگ اور اینڈی پینڈنٹ ہونے کی راہ دکھائی۔ ہم اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ روحانی تقاضوں کے ساتھ جسمانی تقاضوں کا بھی اضافہ ہوگیا۔ لیکن ابہام میں مزید اضافہ ہوگیا۔ پہلا ابہام یہ تھا کہ اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے دعوے تھے اور اس تحریک کے قائدین مذہب سے بے گانہ تھے۔ دوسرا یہ ہے کہ ریاست کا قیام اگرچہ نظریہ کی بنیاد پر ہوا تھا، لیکن اس نظریہ کو تقویت اور سہارا ملا تھا اقتصادی زیادتیوں کے ردعمل سے۔

بہرحال پاکستان قائم ہوگیا جس کے بعد ایک تیسرا ابہام پیدا ہوگیا۔ ملک مذہب کے نام پر بنا۔ سیاسی قیادت تو مذہبی رجحانات رکھتی ہی نہ تھی، جو انتظامیہ سامنے آئی وہ بھی نہ صرف غیر مذہبی تھی بلکہ انگریز کی تربیت یافتہ تھی اور وہ اہل پاکستان سے آقا کی حیثیت سے غلاموں کی طرح ڈیل کرنے لگی۔ لہٰذا صورت حال یہ بنی کہ نوزائیدہ ریاست کی نوزائیدہ اسمبلی میں اکثریت نظریہ پاکستان کے حوالے سے مخلص لیکن اسلام سے نابلد بھی تھی اور اُس سے عملی طور پر لاتعلق بھی تھی اور اسمبلی سے باہر انگریز کی ریڈی میڈ انتظامیہ جو نظریاتی نہ تھی اور نجی زندگی میں انگریزی تہذیب کی دلدادہ بھی تھی۔ ڈیڑھ سال اس کشمکش میں گزرا۔ پھر 1949ء میں قرارداد مقاصد منظور ہوگئی۔ ایسی اسمبلی جسے انتظامیہ کے کالے انگریز دھکیل رہے تھے، اُس کا ایسی قرارداد منظور کرنا عجوبہ تھا۔ لیکن اس کی منظوری کی دو وجوہات تھیں: ایک یہ کہ اکثریت اسلام سے عملی تعلق نہ رکھنے کے باوجود ایسے شریف النفس لوگوں پر مشتمل تھی جو وعدہ نبھانے کے قائل تھے اور دوسری یہ کہ اس اسمبلی میں ایک ایسی دینی شخصیت (مولانا شبیر احمد عثمانیؒ) موجودہ تھی جس کے چیلنج کا اسمبلی کے ارکان مقابلہ نہ کر سکے اور قرارداد منظور ہو گئی، لیکن یہ قرارداد چونکہ اسمبلی ممبران کے دلوں کی گہرائیوں سے برآمد نہیں ہوئی تھی، لہٰذا بعض سعید روحوں کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد اسے فائلوں کے انبار کے نیچے دبا دیا گیا اور عملی طور پر قوم اسلام کی راہ پر گامزن نہ ہوسکی۔ مذہبی حلقوں کی طرف سے ایک بار پھر زور آزمائی ہوئی۔ 1951ء میں 31 علماء کرام نے اسلام کے عملی نفاذ کے لئے بائیس نکاتی ایجنڈا پیش کر دیا۔ تب سے مذہبی اور سیکولر طبقہ میں ایک جنگ شروع ہے جو کبھی سرد ہوتی ہے اور کبھی گرم۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا ابہام کی وجہ سے ہم اڑسٹھ سال میں یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست ہے یا ہونا چاہیے یا یہ قومی جمہوری سیکولر ریاست ہے یا ہونا چاہیے۔ اگر ریاست کی بنیاد طے ہوگی تو پھر یہ طے ہوگا کہ اس ریاست کے شہری کی آزادی مذہبی حدود وقیود کے اندر ہوگی اور مذہب کے اصول وضوابط وضع کئے جائیں گے یا قومی ریاست کی حیثیت سے، جس میں مذہب انفرادی سطح تک محدود ہوتا ہے۔ فرد کی آزادی پر سیکولر اور جمہوری اصول وضوابط لاگو ہوں گے۔

اسلام آباد میں دیئے گے دھرنے فائدہ مند ہیں یا ضرر رساں، اس سے قطع نظر، یہ حقیقت سامنے آ رہی ہے کہ عوام میں V.I.P کلچر کے خلاف نہ صرف نفرت پیدا ہو رہی ہے بلکہ یہ دھرنے عوام کو یہ جرأت دے رہے ہیں کہ وہ مقتدر اور بااختیار لوگوں کے سامنے کھڑے ہوں یا کھڑا ہونا اپنا حق سمجھیں۔ صرف دھرنے میں موجود عوام نہیں بلکہ ٹیلی وژن لاؤنج میں بیٹھ کر کنٹینر سے تقریریں سننے والے بھی اس بات پر زور سے سر ہلا رہے ہیں کہ ایک مخصوص طبقہ نے عوام کو اپنی غلامی میں باندھ رکھا ہے۔ ایک ایم این اے اور رحمٰن ملک کو جہاز سے آف لوڈ کرنا یقینی طور پر اس کنٹینر سے ہونی والی تقریروں کا نتیجہ ہے۔ لیکن ہمیں اس سے یہ شدید خطرہ لاحق ہوگیا ہے کہ پاکستان کی ریاست کیسی ریاست ہے۔ یہاں آزادی کے لئے کیسے اصول وضوابط طے ہوں گے اگر یہ طے نہیں ہوتا تو V.I.P کے خلاف پھیلنے والی یہ نفرت اور کنٹینر سے جوشیلی اور جذباتی تقریروں سے حاصل ہونے والی یہ جرأت کہیں بے لگام نہ ہو جائے۔ پھر یہ طبقاتی جنگ میں تبدیل ہو جائے گی اور بالآخر haves and have nots کے درمیان خونریز جنگ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ہمیں پختہ یقین ہے کہ انسانی آزادی کے حوالے سے اسلام کی عائد کردہ حدود و قیود یعنی ایک فرد کو کس قدر آزاد ہونا چاہیے اور کس قدر پابند، یقیناً فقید المثال اور بے نظیر ہیں۔ اس لئے کہ یہ حدود و قیود فاطر فطرت نے طے کی ہیں۔ لہٰذا انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ حالات وواقعات نے اور گردوپیش کے ماحول نے اگر انسان کی فطرت مسخ نہیں کر دی تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آزادی ہی اُس کی پسندیدہ آزادی ہوگی۔ یہی معاملہ اجتماعی نظام کا ہے۔ اگر انسان اُس اجتماعی نظام کو اپنا لیں جو اس ساری کائنات کے خالق ومالک نے دیا بھی ہے اور اُسے چلا بھی رہا ہے تو وہ اعلیٰ ترین سطح پر اُس کائناتی نظام میں فٹ ہو جائے گا۔ رب کی زمین پر رب کا نظام۔ باقی سب ناکام ونامراد۔

تاثیر آیاتِ قرآنی اور تکذیبِ آیات کا انجام

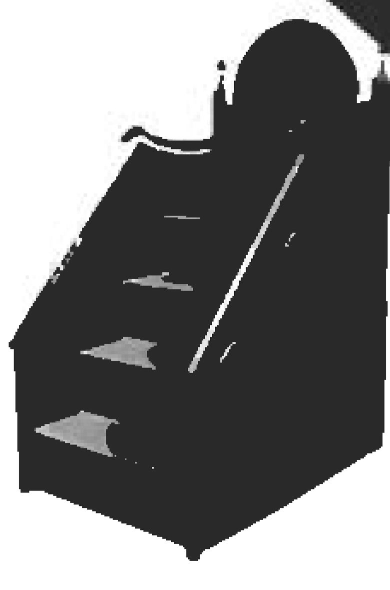

تذکیر بالقرآن: سورۃ الجمعه کی آیات 1 تا 5

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 12 ستمبر 2014ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

خطبۂ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

سورۃ الجمعہ کا بیان کئی اجتماعات جمعہ سے چل رہا ہے۔ پچھلی مرتبہ میں نے اس سلسلہ کو موقوف کرتے ہوئے قرآن مجید کی ایک دوسرے مقام کو منتخب کیا تھا جس میں بندۂ مومن کی سیرت و کردار کے حوالے سے ہمارے لئے راہنمائی تھی۔ 18ویں پارے کی سورۃ مومنون کی ابتدائی گیارہ آیات کا ہم نے مطالعہ کیا تھا۔ اب ہم سورۃ الجمعہ کی طرف واپس آ رہے ہیں۔ سورۃ الجمعہ کی ابتدائی دو آیات پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ دوسری آیت میں انقلاب نبوی کے اساسی منہاج کا بیان ہے، جو چار نکات پر مشتمل ہے: تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت۔ یہ چاروں کام ایسے ہیں جن کا مرکز و محور قرآن مجید ہی ہے۔ جو مشن اللہ کے رسول ﷺ نے شروع کیا اس میں پہلا کام ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾ ہے۔ آپؐ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے تھے۔ اللہ کا کلام پڑھ کر سنا رہے تھے۔ وہ اس قوم کی زبان میں ہے جو اس کو خوب سمجھ رہے ہیں۔ یہ کلام مقدس اُن کے دل و دماغ میں ہل چل مچا رہا ہے۔ یہ انقلاب آفرین کتاب ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان لانے والوں کی سوچ بدل گئی، نقطۂ نظر بدل گیا۔ کردار بدل گئے، اخلاق بدل گئے۔ غرضکہ ہر شے بدل گئی۔ لہٰذا انسان کی اصلاح کے لئے مؤثر ترین شے تلاوت قرآن اور اس کو سمجھ کر پڑھنا ہے۔ مارکس نے بھی ایک انقلاب آفرین کتاب لکھی جو اشتمالی انقلاب کا ذریعہ بنی۔ آنحضور ﷺ نے قرآن کے ذریعے انقلاب برپا فرمایا۔ ہر انقلاب کے پیچھے کوئی فکر اور سوچ ہوتی ہے، جس پر ایک جماعت تیار ہوتی ہے، جو اس انقلاب کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوتی ہے کہ یہ اعلیٰ مقصد ہے۔ کارل مارکس کے اشتراکی فلسفے کی بنیاد پر جو اشتراکی انقلاب آیا اُس کا مقصد معاشی مساوات بتایا گیا تھا۔ کہا گیا کہ سرمایہ دارانہ نظام ہم پر مسلط ہو گیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے پیچھے یہودی تھے، انہوں نے بینکنگ کا نظام شروع کیا۔ کارخانوں میں محنت مزدور کر رہا ہے۔ خون پسینہ اس کا لگ رہا ہے۔ ساری ملائی سرمایہ دار کھا رہا ہے اور مزدوروں کے حقوق غصب کر رہا ہے۔ جبکہ سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسی نظام کی وجہ سے ایک طبقہ پوری دنیا کی دولت پر سانپ بن کے بیٹھا ہوا ہے۔ سرمایہ دار کہتا ہے کہ ہم نے اپنی محنت سے اور پلاننگ سے یہ سارا کچھ حاصل کیا ہے، مزدور کا ہمارے مال پر کوئی حق نہیں۔ بس اتنا سا دے دو کہ یہ زندہ رہ سکیں، اور دوبارہ پھر ڈیوٹی پر آ سکیں۔ مارکس نے دیکھا کہ اس نظام میں بڑی بے انصافی ہے، haves اور have nots کی تقسیم ہے۔ انسانیت پر ظلم ہو رہا ہے۔ ایک چھوٹا سا طبقہ ایک عظیم اکثریت پر

مرتب: فرقان دانش

ظلم و زیادتی کر رہا ہے۔ یہاں سے اس نے بات شروع کی، اور کہا کہ تمام انسانوں کے حقوق برابر ہونے چاہئیں۔ یہ بات لوگوں کے دلوں میں اُتر گئی۔ خاص طور پر نوجوان اس مقصد کے لئے جان دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

اللہ نے انسان کے اندر قربانی دینے کا جذبہ رکھا ہے۔ اس جذبہ کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے دین کے لئے قربانی دی جائے، لیکن اس کے لئے آج راہنمائی کوئی نہیں ہے۔ یہ راستہ کوئی دکھاتا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا انسان کسی نچلے درجے کے مقصد کو منتخب کر کے اس کے لئے بھاگ دوڑ کرتا اور قربانیاں دیتا ہے۔ یہی تو انسان اور حیوان کا بہت بڑا فرق ہے۔ ایک اعلیٰ مقصد کے لئے ایک فکر پہلے پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے کوئی بہتری آ سکتی ہے۔ یہ فکر ایک انقلابی جماعت کی بنیاد ہوتی ہے۔ مسلمان کے ذمے تو کل روئے ارضی پر اللہ کا دین قائم اور غالب کرنا ہے۔ اس کے لئے انقلابی کتاب یہ قرآن ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ جب ایمان کی دعوت دیتے تھے تو قرآن ہی پیش کرتے تھے کیونکہ اس سے جامع فکر اور فلسفہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس قرآن کے تحت عظیم الشان انقلابی جماعت تیار ہوئی۔ دوسرا کام ﴿وَیُزَکِّیْهِمْ﴾ تھا۔ یہ دوسری dimention ہے جو ہم پڑھ چکے ہیں۔ اس کام کے لئے جمع ہونے والوں کا تزکیہ کرنا۔ سوچ تو درست ہو گئی ہے لیکن اندر جو کچھ جمع ہے یعنی دنیا کی محبت، مال کی محبت، اور بہت سی کمزوریاں مثلاً لالچ، طمع، انتقام، حرص، جو انسان کے اندر ہیں، یہ سب چیزیں بھی دین حق کے راستے پر چلنے کے حوالے سے رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اللہ کا سچا بندہ بننا اور اللہ کے لئے سب کچھ لگا دینا، یہ اس راستے کی رکاوٹیں ہیں۔ اس لئے انسان کو اندر سے پاک کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ کام آنحضور ﷺ نے بڑے اہتمام سے کیا۔ آپؐ نے صحابہؓ کا تزکیہ فرمایا۔ چونکہ صحابہؓ کو براہ راست آنحضور ﷺ کی صحبت میسر آئی، لہٰذا اس سے بہتر تزکیہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمارے ہاں اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کم تر درجے کا صحابیؓ بھی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے اونچا مقام رکھتا ہے۔ بڑے سے بڑا ولی کسی صحابیؓ کے مقام کے آس پاس بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس تزکیہ کے لئے بنیاد قرآن سے ہی فراہم ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک مزکی بھی چاہیے، جو ہر شخص کو دیکھتے ہوئے کہ اس کے اندر کی کسی

بات کی ہے، اُس کی طرف توجہ دلائے۔ مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ اے اللہ کے رسول مجھے آپؐ کوئی نصیحت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا ((لا تغضب)) ''غصہ مت کیا کرو۔'' کوئی اور نصیحت فرمایئے، تو پھر فرمایا: ((لا تغضب)) ''غصہ مت کیا کرو۔'' ایک حاذق اور سمجھدار انسان دیکھ لیتا ہے کہ اصل مرض اس کا کیا ہے۔ لہٰذا اس کو فوکس کیا جائے۔ تزکیہ کے لئے بھی بنیاد قرآن ہے۔ یہی قرآنی آیات ہیں، اگر ان کو توجہ سے غور کر کے پڑھا جائے تو یہ تزکیہ کے لئے بہت بنیادی کام کر دیتی ہیں۔ اگر مزکی میسر ہو تو سونے پر سہاگہ۔ اسی لئے قرآن کے بارے میں کہا گیا کہ یہ شفاء لما فی الصدور ہے۔ یعنی جو سینے کے امراض ہیں قرآنی آیات میں ان تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ آپؐ کا تیسرا کام ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ تھا۔ آپؐ کتاب کی تعلیم دیتے۔ کتاب سے مراد احکام شریعت ہیں۔ احکام شریعت بھی قرآن میں دے دیئے گئے۔ لہٰذا اس کام کا تعلق بھی قرآن سے جڑ جاتا ہے۔ چوتھا کام ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ تھا۔ یعنی آپؐ نے حلال وحرام بتانے کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دی۔ یہ اس لئے کہ اس اُمت کو پوری دنیا کا امام بنانا تھا اور بنا کر دکھایا۔ دنیا مانتی ہے کہ مسلمان ایک دور میں پوری دنیا کے امام تھے۔ وہ عرصہ چند سالوں کے لئے نہیں بلکہ کئی صدیوں پر محیط رہا۔ بہر حال حکمت کا بھی اصل سرچشمہ قرآن ہی ہے لیکن اس کو برآمد کرنا پڑتا ہے۔ ایک حکیم انسان ہی اس کو برآمد کر کے اس کو پہچان سکتا ہے اور اس کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے قرآن کے اندر جو حکمت پوشیدہ ہے، اس کو مزید واضح کیا۔ اس کے ساتھ آپؐ کی احادیث بھی حکمت کا بہت بڑا ذخیرہ ہیں۔ لیکن بنیاد یہاں بھی قرآن ہے۔ لہٰذا چاروں کام جو آنحضور ﷺ کر رہے تھے ان سب کا تعلق قرآن مجید سے جڑ جاتا ہے۔ اسی لئے بانی محترم فرمایا کرتے تھے کہ قرآن دراصل آلۂ انقلاب ہے۔ اس قرآن کی بدولت مسلمان قوم اخلاق، تعلیم، سائنس، سپاہ گری، جہاد و قتال غرضکہ ہر میدان میں پوری دنیا کی امام بنی۔ آیت 2 کا حاصل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ مربی ہیں، معلم ہیں، ہدایت دینے والے ہیں، قرآن کی شرح فرمانے والے ہیں۔ اس میں حکمتیں برآمد کر کے لوگوں تک پہنچانے والے ہیں۔

آگے فرمایا:

﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۳)﴾

''اور ان میں سے اور لوگوں کی طرف بھی (ان کو بھیجا ہے) جو ابھی ان (مسلمانوں) سے نہیں ملے۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

حضور ﷺ کو اُمیین میں بھیجا گیا لیکن آپؐ کی بعثت صرف اُمیین کے لئے نہیں، بلکہ کل روئے ارضی کے لئے ہے۔ اور یہ بات قرآن مجید میں کئی جگہوں پر آئی ہے۔ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ؁﴾ (الاعراف:158) ''(اے محمدؐ) کہہ دو کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔'' ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؁﴾ (سبا:28) ''اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' آپؐ سے پہلے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جتنے نبی آئے وہ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد گویا آپؐ کو جزیرہ

پریس ریلیز 15 ستمبر 2014

تحریک طالبان پنجاب کا عسکری کارروائیاں ترک کر کے دعوت و تبلیغ کرنے کا عزم مثبت قدم ہے

حافظ عاکف سعید

تحریک طالبان پنجاب کا عسکری کارروائیاں ترک کر کے دعوت وتبلیغ کرنے کا عزم مثبت قدم ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ ایک اسلامی ملک میں اسلام کے نفاذ کے لیے تبلیغی اور دعوتی کام کا آغاز ایک مبارک فیصلہ ہے اور یہ صحیح اور درست سمت میں اہم پیش رفت ہے۔ انہوں نے عصمت اللہ معاویہ کے اس جذبے کی بھی تعریف کی کہ وہ پاکستان میں عسکری جدوجہد میں مصروف دوسرے گروپوں سے بھی اپیل کریں گے کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے عسکریت کا راستہ کا چھوڑ کر دین متین کی دعوت وتبلیغ کے کام کا آغاز کریں اور اپنے مسلمان بھائیوں پر طاقت کے استعمال سے گریز کریں اور سیلاب کی مصیبت میں گرفتار اپنے بھائیوں کی فوری مدد کو پہنچیں۔ حافظ عاکف سعید نے معاویہ کے ان خیالات کی بھی تائید کی کہ وسیع تر دعوتی تحریک چلانے سے باطل نظام جمہوریت کی نقاب کشائی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ نفاذ اسلام کے لیے منہج نبویؐ کو اپنانا ہی کامیابی کا ضامن ہے۔ انہوں نے اس مطالبے کو بھی انتہائی جائز قرار دیا کہ حکومت متاثرین آپریشن کی بحالی کے لیے فوری اقدامات کرے۔ قبائلی بہت خوددار ہوتے ہیں۔ انہیں دشمن کی گود میں ڈالنا دانشمندی نہیں ہے۔ ان کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے ان کے نقصانات کی تلافی کی جائے۔ قبائلیوں نے پہلے بھی پاکستان کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا وہ اب بھی یہ مقدس فریضہ ادا کرتے رہیں گے۔

16 ستمبر 2014ء

دھرنوں نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان کا موجودہ نظام فرسودہ اور بیکار ہے

نفاذِ شریعت کے لیے دینی جماعتوں کی مشترکہ تحریک وقت کی اہم ترین ضرورت ہے

دھرنوں نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان کا موجودہ نظام فرسودہ اور بیکار ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ جمہوری نظام میں بنیادی طور پر بہت سی خرابیاں ہیں لیکن ہم نے پاکستان میں اس کی شکل مزید بگاڑ دی ہے اور عوام کے سامنے یہ بات آرہی ہے کہ یہ طرز حکومت ہمارے مسائل اور مصائب میں اضافہ کر رہا ہے۔ صنعتکاروں اور وڈیروں نے اس نظام میں لوٹ مچائی ہوئی ہے اور ان کا کوئی احتساب نہیں کر رہا۔ قانون صرف غریبوں اور متوسط طبقہ کے خلاف حرکت میں آتا ہے۔ جس سے انقلاب کی بات کو بڑا وزن دیا جا رہا ہے لیکن جس قسم کے انقلاب کی صدا دھرنے سے لگائی جارہی ہے وہ خونی انقلاب ہوگا اور حالات کو بدتر کر دے گا۔ حالات جو رخ اختیار کر رہے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ جلد محروم اور مراعات یافتہ طبقات میں تصادم ہوگا۔ اُنہوں نے کہا کہ اللہ اور رسول کی طرف لوٹنے کے سوا نجات اور عافیت کا کوئی راستہ نہیں۔ پاکستان کے مسائل کا حل صرف اور صرف اسلامی انقلاب ہے۔ نفاذ شریعت کے لیے دینی جماعتوں کی مشترکہ تحریک وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی)

نمائے عرب کی ایک اہم قوت کے طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ اب آپؐ نے آس پاس کے علاقوں کے حکمرانوں کو خطوط بھیجے۔ مصر، فارس، روم اور ہر طرف آپ نے اپنا نامہ مبارک بھیجا اور لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دی۔ اُمت اولین اور اُمت آخرین کے لئے آپؐ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ یہ دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک ہے اُمت دعوت اور دوسرے اُمت اجابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے لئے اُمت دعوت پوری دنیا کے لوگ ہیں۔ یعنی آپؐ کی دعوت سب کے لئے ہے۔ اُمت اجابت سے مراد ہم مسلمان ہیں جو حضور ﷺ پر ایمان لائے۔ اس آیت کے اختتام پر ﴿ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ﴾ کا مطلب ہے کہ وہ غالب ہے الحکیم ہے۔ اس نے آپؐ کو سب جہان والوں کے لئے نبی اور رسولؐ بنا کر بھیجا ہے، اور اس نے طے کرلیا ہے کہ اللہ کا دین غالب ہونا ہے۔ یہ ہو کر رہے گا۔ کیسے ہوگا، وہ العزیز ہے، انتہائی حکمت والا ہے۔ یہ وہ بہتر جانتا ہے۔

آگے فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (٤) ﴾

''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

جو اس راستے پر آ گیا، جس نے اس راستے کو اختیار کرلیا، جس نے آپؐ کے مشن کو اپنا مشن بنالیا، جو آپؐ کے نہج پر زندگی گزار رہا ہے، یہ ہیں وہ لوگ جن پر دراصل اللہ کا فضل ہوا۔ اس فضل میں سے ہمیں حصہ ضرور ملا ہے اور ہمیں اس سے بڑا حصہ مل سکتا ہے، لیکن ہم خود اس فضل کو لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ رب نے ہمیں وہ مکمل نظام عطا کیا ہے جس میں عدل وانصاف ہے۔ جس میں غریبوں کے لئے رفاہ عامہ کا بندوبست ہے۔ ان کے حقوق کا لحاظ ہے۔ الغرض وہ سب کچھ ہے جو انسان چاہتا ہے۔ اس نظام میں ہر معاملے میں عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم نے اپنے عمل سے ثابت کیا ہے کہ ہمیں اس فضل کی ضرورت ہی نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ ہم نے طے کر رکھا ہے کہ ہم کو وہ نظام قائم نہیں کرنا، اس لئے کہ اگر وہ نظام قائم ہو گیا تو یہ عیاشیاں، اللے تللے چھوڑنے پڑیں گے۔ یہ جو شیطنت کے سیلاب اور ریلے چلے آ رہے ہیں، ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں۔ بہر حال اصل فضل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے مشن کو اپنا مشن بنایا جائے اور آپؐ کے نقش قدم پر چلا جائے۔ اللہ نے تو ہمیں یہ دین دے کر ہم پر بڑا فضل کیا ہے، لیکن ہم ہی نہ چاہیں تو اور بات۔ مجھے وہ حدیث یاد آ رہی ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''ہر بندۂ مومن جنت میں جائے گا سوائے اس کے کہ جو خود انکار کردے۔'' سب حیران رہ گئے کہ کوئی ایسا بدبخت بھی ہے۔ پوچھا گیا کہ ایسا کون ہوگا جو خود جنت میں جانے سے انکار کر دے۔ اب جواب سن لیجئے اور پلے باندھ لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا ((من اطاعنی فقد دخل الجنة ومن عصانی فقد ابٰی)) ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (آپؐ کی اطاعت صرف نماز روزے ہی میں نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں درکار ہے) جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا جنت میں جانے سے انکار کردیا۔'' آج ہم نے اللہ کی رحمت سے خود منہ موڑا ہوا ہے۔ اسی قرآن اور اسی دین کے حوالے سے اللہ کا وعدہ ہے کہ مسلمان دنیا میں بھی سر بلند، باعزت اور غالب ہوں گے۔ ﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (١٣٩) ﴾ (آل عمران) ''اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔'' تم اللہ کے وفادار بنو، دنیا میں بھی تمہیں اللہ غلبہ دے گا۔ وہ سب کچھ دے گا جو دنیا میں اعلیٰ قدر شمار ہوتی ہے اور آخرت میں جنت ملے گی۔ ہم نے دین سے روگردانی کرکے دنیا وآخرت دونوں سے ہی منہ موڑا ہوا ہے۔

اب اگلی آیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (٥) ﴾

''جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی، پھر انہوں نے اس (کے بار تعمیل) کو نہ اُٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی مثال بُری ہے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس امت کے لئے جو مقام قرآن کا ہے سابقہ امت کے لئے اِس سے قبل یہی مقام تورات کا تھا۔ ان کی مثال دے کر دراصل ہمیں سبق دیا جا رہا ہے۔ ان لوگوں کو جب تورات کی دی گئی یعنی جب انہیں شریعت دے دی گئی تو اللہ نے ان سے عہد لیا تھا کہ تم کو اس کی پوری پابندی کرنی ہے۔ اپنی زندگی مرضی کے مطابق نہیں گزارنی بلکہ جو سسٹم اللہ نے دیا اس کو نافذ کرنا ہے۔ جو راہنمائی اس کتاب میں ہے اس پر پورے طور پر کاربند رہنا ہے۔ جب انہوں نے تورات اٹھانے کی ذمہ داری اور تقاضے پورے نہیں کیے تو ان کی مثال اس گدھے کی ہوگئی جس پر کتابیں لدی ہوں۔ جانور پر کتنی ہی بڑی بڑی کتابیں موجود ہوں اس پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کے لئے تو وہ صرف وزن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہاں پر اس طرز عمل کے لئے لفظ تکذیب آ رہا ہے۔ آج یہ آیت پورے طور پر ہم پر منطبق ہو رہی ہے۔ ہمیں تورات سے زیادہ جامع، مکمل، زیادہ فضیلت رکھنے والی کتاب عطا کی گئی ہے۔ وہ اب بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ لیکن ہم اس کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں وہ ظاہر وباہر ہے۔ یہود نے بھی تورات پر نہ عمل کیا نہ دین کو پورے طور پر قائم کیا۔ آج ہم بھی یہی کر رہے ہیں۔ ایسا عظیم ضابطہ حیات ہوتے ہوئے بھی دنیاداری کے چکر میں پڑ گئے۔ اس آیت کے دوسرے حصے میں بڑا اہم نکتہ ہے، فرمایا کہ بڑی بری مثال ہے اس قوم کی جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ تکذیب کا مطلب ہے آیات کو جھٹلانا۔ یہود نے کبھی اس بات سے انکار نہیں کیا کہ تورات اللہ کی کتاب ہے، بلکہ وہ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے جن اقوام کو کتاب نہیں ملی ان کو اُمی کہتے تھے۔ دراصل انہوں نے تورات پر عمل چھوڑ دیا تھا۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ بڑی بری مثال ہے اس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی ہے۔ ہم بھی قرآن کے بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں کہ یہ ہماری مقدس کتاب ہے، تمام آسمانی کتابوں سے افضل ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس سے راہنمائی لینے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ اس کے دیے ہوا نظام کے قریب جانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ عملی تکذیب ہے خواہ زبان سے نہ جھٹلائیں لیکن عمل سے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں قطعاً اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اگر بچوں کو پڑھانا بھی ہے تو صرف ناظرہ قرآن پڑھا دیں اور بس۔ سمجھ کر پڑھانے کی کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہم جو تعلیم اپنے بچوں کو دلا رہے ہیں اور جس پر لاکھوں خرچ کر رہے ہیں اس کا تو قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ قرآنی فلسفہ حیات سے متصادم ہے، یہ ہے عملی تکذیب۔ اگر ہم نے اللہ کی کتاب کو وقعت دی ہوتی تو کیا یہ طرز عمل ممکن تھا۔ ظاہر ہے، اِس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارا عمل بتا رہا ہے کہ ہمیں آخرت پر کوئی یقین نہیں۔ ہمیں ساری فکر دنیا کی ہے۔ اب تو خیر دانشوروں کا ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو کھلم کھلا آخرت کا انکاری ہے۔ لیکن اکثر کا معاملہ کیا ہے کہ آخرت کو بالکل طاق نسیاں میں رکھ دیا گیا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آیت کے آخر میں آیا کہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس انجام بد سے بچائے۔ (آمین)

اس سے بڑا نہیں المیہ کوئی

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

پاکستان متاثرین کا ملک بن چکا۔ متاثرینِ دھرنا، متاثرینِ ضربِ عضب اور اب متاثرینِ ضربِ عضبِ الٰہی۔ طوفانی بارشیں، بپھرے ندی نالے، دریا، سیلابی ریلے۔ زمین جل تھل، اتھل پتھل ہوگئی مگر زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ سونامی خان وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ غربت کے تھپیڑوں سے نمٹتے عوام اب سیلابی ریلوں میں بھوک، وبائی امراض اور بے گھری میں یکا و تنہا ناکافی امداد اور تصویری اشتہاری سرگرمیاں تک رہے ہیں۔ ملک پر حکمرانی کے شوق اور نشے میں مبتلا لیڈر اور طبقۂ مترفین کے پیروکار ساون منا کر برستی بارش میں بازو لہرا لہرا کر دادِ (شجاعت) کے لین دین میں گم ہیں۔ حتیٰ کہ الطاف حسین کو بھی کہنا پڑا کہ موجودہ حالات میں ناچ گانا میرے ضمیر کے خلاف ہے۔ تاہم عمران خانیوں وقادری مریدوں کا ضمیر کا گراف الطاف حسین سے بھی نیچے جا گرا۔

تخت و تاج کا مرکز لاہور وینس کا نظارہ پیش کرتا رہا۔ پورا پنجاب کچھ تو غیر معمولی بارشوں نے غرقاب کیا۔ کچھ آموں کا شکریہ ادا کرتے مودی نے پانی کے لاکھوں کیوسک بلا درست پیشگی اطلاع، چھوڑ کر عام تباہی پھیلا دی۔ گویا پانی بطور عام تباہی کا ہتھیار (WMD) ہم پر چلا دیا۔ بعد ازاں زخموں پر نمک چھڑکنے کو ہمیں بھارت نے امداد کی پیش کش بھی کر دی! اصلاً سونامی خان کے ہاتھوں بوکھلائی حکومت کو پتہ ہی نہ چل سکا اور برسات بغیر وارننگ امڈی چلی آئی۔ بروقت صفائی، سیوریج، نکاس آب اور بجلی کی فراہمی رواں رکھنے کے انتظامات نہ ہونے سے شہر لاہور بالخصوص خود بخود تاریک وینس بن گیا۔ 19 لاکھ افراد اب تک متاثرین سیلاب ہیں۔

ڈوبتی معیشت، اربوں کا دھرنا خسارا، سرمایہ کاری کا تعطل کچھ کم تھا کہ اب چاول اور کپاس کی فصلوں پر (لاکھوں ٹن تباہ ہو جانے کا) نقصان مزید سہنا پڑے گا۔

پاکستان کی بگڑتی معیشت کو سنبھالا دینے کی ایک صورت سوجھ رہی ہے۔ غور کرنے میں حرج نہیں۔ خبر یہ ہے کہ ناروے کو اپنے مجرم رکھنے کے لیے جگہ کی قلت درپیش ہے۔ سو وہ ہالینڈ سے جیلیں کرائے پر حاصل کرے گا۔ ہالینڈ نے بلجیم کو بھی جیلیں کرائے پر دے رکھی ہیں۔ ہم اگر عالمی اخبارات میں اشتہار دے کر قسمت آزمائی کر لیں تو کیسا رہے گا؟ مغرب میں، بالخصوص امریکہ میں جرائم پیشہ افراد کی کمی نہیں اور ہمارے پاس جیلیں حراستی مراکز فراواں ہیں۔ گوروں کے ساتھ حسن سلوک کی گارنٹی ریمنڈ ڈیوس سے لی جا سکتی ہے۔ حال ہی میں پروفیسر اجمل خان وائس چانسلر اسلامیہ کالج رہا ہو کر آئے ہیں۔ 4 سال طالبان کی قید میں رہنے والے اجمل خان صاحب کی داستانِ اسیری حیرت انگیز چشم کشا ہے۔ موازنے کے لئے ابوغریب، بگرام کی داستانیں اور ملا عبدالسلام ضعیف کی کہانی موجود ہے۔ ڈاکٹر عافیہ کی کہانی بمقابلہ طالبان کی اسیر ایوان ریڈلے دیکھ لیجئے۔ طالبان نے پروفیسر صاحب کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ ان کی صحت اور طبی ضروریات کا بہت خیال رکھا گیا۔ ان کے لیے میرے دل میں کوئی تلخی یا رنجش نہیں۔ انہوں نے کبھی مجھ پر تشدد نہیں کیا۔ ان کا میرے ساتھ سلوک بہت اچھا تھا۔ حکیم اللہ محسود سے میری ملاقات حقیقتاً خوشگوار تھی۔ اس نے کہا، ہمارا آپ کے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں۔ ہمیں پیسہ درکار ہے لیکن ہمیں آپ کا پیسہ نہیں چاہیے۔ وہ ہم پر حرام ہے۔ ہم حکومت سے آپ کا تاوان مانگیں گے۔ جب میں گیا تو انہوں نے مجھے ڈھیر سارے ریز ر لا کر دیئے۔ میں نے کہا یہ مجھے درکار نہیں۔ اب مجھے شہری زندگی کے لوازمات نبھانے کی ضرورت نہیں۔ صبح سویرے نماز کے لیے اُٹھتا۔ ریڈیو سنتا، مطالعہ میں وقت گزارتا، اپنا کھانا خود پکاتا کیونکہ وہ زیادہ چکنائی والا کھاتے تھے جو میرے لیے مضر تھا۔ روزانہ پہاڑوں سے اتر کر دکان پر دیہاتیوں کے ساتھ گپ شپ کے لئے جا بیٹھتا۔ گھر سے (ابتدائی 8 ماہ کے بعد) ہر ہفتے بذریعہ فون میں رابطے میں رہا۔ صرف ابتدا میں 30 منٹ ہتھکڑی لگائی گئی جس پر طالبان نے بعد ازاں معافی مانگی۔ طالبان کہتے: ہمیں دیکھو! جب ہم قید کیے جاتے ہیں تو ہمیں چھوٹے سے سیل میں دھکیل دیا جاتا ہے جہاں سالہا سال روشنی سے محروم رکھا جاتا ہے۔ وہاں طالبان سے تو امان میں تھا البتہ جان کا خطرہ ڈرون اور فوجی گولا باری سے لاحق رہتا تھا۔ وہاں 32 بچوں کو تعلیم دیتا رہا۔ (ڈان رپورٹ 5 ستمبر، 10 ستمبر)

دوسری جانب ہمارے ہاں اسی طرح ایک 65 سالہ پروفیسر کو ہمارے حراستی مراکز میں سے ایک میں مہمان رہنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ یہ صاحب تو اپنے میزبانوں کے براہِ راست استاد ہونے کا اعزاز بھی رکھتے تھے۔ عالمی حالات پر دسترس کی بنا پر ان کے اداروں میں اکثر بلائے جاتے۔ لیکچر کا اعزازیہ انہی کے فنڈ میں لوٹا آیا کرتے تھے قومی خدمت جان کر۔ تاہم جرمِ بے گناہی پر اٹھاتے ہی ہتھکڑیاں، کنٹوپ، مکوں، دھکوں کا سامنا تھا۔ حراستی مراکز میں قدم رکھتے ہی جو ان ہاتھوں میں تھامے، لتروں سے تواضع تھی۔ 'تو تڑاخ، مغلظات کا طرزِ تخاطب تھا۔ ہتھکڑی دن میں 3 مرتبہ صرف چند منٹ بیت الخلاء کی سہولت میسر آنے پر اتاری جاتی تھی۔ شدید سردی میں ننگے فرش پر ہتھکڑیوں سمیت آنکھوں پر پٹی چڑھائے بیٹھنا، کھانا، سونا، نماز، صابن، دانت صاف کرنے کی ''عیاشی'' میسر نہ تھی۔ صحت، طبی سہولیات عنقا تھیں۔ عمر، تعلیم، مقام، قومی خدمات، خاندانی پس منظر، مایہ نازی وی، کسی چیز کے لحاظ پاس، احترام، مروت کا تصور نہ تھا۔

ایک طرف وہ عالمی تہذیب کے دعویدار ہیں۔ دنیا کو انسانیت، شائستگی، حقوق نسواں، اعلیٰ تعلیم دینے کے غلغلے ہیں۔ اوباما اور کیمرون نے نیٹو کانفرنس (4-5 ستمبر) کے موقع پر جو فرمان جاری کیا ملاحظہ ہو: 'ہم اپنی اقدار کی حفاظت کے لیے کہیں زیادہ حساس ہیں۔ ہم جنونی قاتلوں کے آگے نہیں جھکیں گے۔ برطانیہ امریکہ کی طرف سے تشکیل کردہ نیٹ ورک کو جاری رہنا چاہیے کیونکہ اسے ایک اخلاقی برتری حاصل ہے۔ (پاکستان بھی اسی نیٹ ورک کا حصہ ہے) کیونکہ یہ نیٹ ورک دنیا میں امن، جمہوریت، (باقی صفحہ 10 پر)

امت مسلمہ کی زبوں حالی

حافظ عاکف سعید
امیر تنظیم اسلامی

امت مسلمہ کی زبوں حالی پر لکھنے سے پہلے ہمیں یہ غور کرنا پڑے گا کہ ''امت مسلمہ'' نام کی کوئی شے آج کی دنیا میں ہے بھی یا نہیں۔ دنیا میں آج مسلمانوں کی تعداد پونے دو ارب کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ وہ ممالک جن میں مسلمان آباد ہیں، 58 کے قریب ہیں۔ ان ممالک میں مسلمان تو بستے ہیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہم یہ کہیں گے کہ یہ قومیں بھی اب قومیتوں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ صرف یہی ایک تقسیم نہیں بلکہ لسانی، علاقائی حتیٰ کہ مذہبی حوالے سے بھی تقسیم موجود ہے۔ امت مسلمہ تو مجموعہ تھی مختلف اقوام کا، جس کو دین اسلام نے ایک وحدت میں بدل دیا تھا۔ ان کا ایک مرکزی نظام تھا جس کو ہم خلافت کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ نظام عروج وزوال کے کئی مراحل سے گزرا۔ یہاں تک کہ 1924ء میں عالمی استعماری قوتوں نے قومیت کی بنیاد پر عربوں اور ترکوں کو آپس میں لڑا کر خلافت کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ بقول اقبال۔

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

خلافت عثمانیہ اگرچہ آئیڈیل خلافت نہیں تھی۔ تاہم اس کے دور میں مسلمانوں کے اتحاد کا ایک مرکز تو قائم تھا۔ اب بانوے سال ہونے کو آئے ہیں، مسلمان اُمت کی وحدت پارہ پارہ ہے، بلکہ تقسیم در تقسیم کا عمل جاری ہے۔ خود پاکستان دولخت ہو چکا ہے۔ بچا کھچا پاکستان گروہوں، فرقوں اور قومیتوں میں بٹ کر باہم برسرِ پیکار ہے اور اس طرح آج ہم دشمن کے لیے نرم چارہ بن چکے ہیں۔ چنانچہ آج پاکستان کی سالمیت شدید خطرات سے دوچار ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ آج بھی اغیار خلافت کو اپنے لئے ایک چیلنج سمجھتے ہیں۔ اس کا اظہار نائن الیون کے سانحے کے بعد اس وقت کے صدر بش کے بیانات سے بھی ہوا تھا۔ دشمنان دین نے ہمیں قوموں میں تقسیم کر کے امت مسلمہ کے وجود کو تو ختم کر دیا لیکن وہ خائف ہیں کہ کہیں دنیا میں دوبارہ خلافت کا ادارہ قائم نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان میں جب اسلامی ریاست قائم ہوئی اور شریعت اسلامی کے نفاذ کے نتیجہ میں جو خوشگوار اور مثبت تبدیلی رونما ہوئی تو اسے وہ برداشت نہ کر سکے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ آئندہ قیام خلافت کی بنیاد نہ بن جائے۔ چنانچہ کفر کی تمام قوتیں افغانستان کے خلاف اتحاد بنا کر حملہ آور ہوئیں۔ اور اسے وقتی طور پر ختم کر کے ہی دم لیا۔ قسمت کی ستم ظریفی یہ ہے کہ اس اسلامی حکومت کو ختم کرنے میں بہت بڑا کردار اس ریاست کا تھا جو مسلم دنیا کی واحد ریاست ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہے اور جس کے قیام کا مقصد ہی یہاں اسلام کے نظام عدل اجتماعی یعنی نظام خلافت کا نفاذ تھا۔ یاللعجب!

امت کہتے ہیں ایک ''ہم مقصد گروہ'' کو۔ اور قرآن کریم نے امت مسلمہ کے برپا کرنے کا مقصد بہت ہی واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور وہ ہے اللہ کے پیغام یعنی قرآن مجید اور اس کے دین کو پوری نوع انسانی تک پہنچانا اور پھیلانا۔ سیدھی سی بات ہے کہ جو کام اپنے اپنے زمانے میں انبیاء ورسل کرتے رہے، نبی اکرم ﷺ پر نبوت کے خاتمے کے بعد یہ ذمہ داری اب اس امت کے کاندھوں پر آئی۔ قرآن نے اِسے ''شہادت علی الناس'' کا فریضہ قرار دیا ہے۔ جب تک مسلمان سچے مومن بن کر اپنے دینی فرائض ادا کرتے رہے وہ دنیا میں سربلند اور غالب رہے۔ اور اللہ کا یہ وعدہ ان کے حق میں پورا ہوتا رہا کہ ''وانتم الاعلون ان کنتم مومنین'' لیکن جب مسلمانوں سے قرآن حکیم سے اور اپنی دینی ذمہ داریوں سے ناتا توڑ لیا تو ذلت و مسکنت ان کا مقدر بن گئی۔ اس حوالے سے بڑی جامع رہنمائی ہمیں اس معروف حدیث مبارکہ سے بھی ملتی ہے جسے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے قوموں کو عروج بخشے گا اور اس کو چھوڑ دینے کی بناء پر قوموں کو ذلیل و خوار کر دے گا۔ علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم 'جواب شکوہ' میں یہی پیغام امتِ مسلمہ کو دیا ہے۔ فرماتے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر!

یہ امر واقعہ ہے کہ جب ہم نے قرآن کو چھوڑا تو رفتہ رفتہ پورے دین ہی کو ترک کر دیا، ہمارے رنگ ڈھنگ، طرز بود و باش سب تبدیل ہو گئے۔ اقبال فرماتے ہیں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

آپ اسلامی تاریخ پر غور فرمائیں تو اس نتیجے پر باآسانی پہنچ جائیں گے کہ جب تک امت مسلمہ اپنے دین اور قرآن سے جڑی ہوئی تھی اور بحیثیت امت اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرتی رہی اسے دنیا میں شوکت وسطوت حاصل تھی اور جیسے جیسے اس سے دور ہوتی چلی گئی، اس کی شان و شوکت ذلت ورسوائی کی طرف بڑھتی چلی گئی، تا آنکہ آج امت مسلمہ کا حال اس حدیث مبارکہ کے عین مطابق ہو گیا ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب دنیا کی قومیں تم پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح دسترخوان چن جانے کے بعد میزبان مہمانوں کو طعام کی دعوت دیتا ہے۔ کہ آئیے، یہ لقمۂ تر ہے، کیوں نہ اس پر ٹوٹ پڑیں۔ آج مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ فلسطین، کشمیر، چیچنیا، عراق، لیبیا اور برما وغیرہ کی صورتحال سے ظاہر ہے۔

قرآن کریم سے مضبوط تعلق ہی تھا جس نے امت مسلمہ کو شان وشوکت عطا کیا۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم موجود ہے کہ اللہ کی رسی (قرآن کریم) کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقے میں مت پڑو۔ ہماری گرفت اس رسی سے کمزور پڑ گئی جس کے نتیجے میں ہم تفرقے میں پڑ گئے اور اس کے نتائج ہیں جو ہم بھگت رہے ہیں۔ ہماری سیاست پر جاگیردارانہ نظام اور فرسودہ مغربی جمہوریت حاوی ہے۔ ہماری معیشت ان بنیادوں پر استوار ہے جس سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا تھا۔ ہماری معاشرت جس پر ابھی مغرب کا رنگ نہیں چڑھا تھا سوائے طبقۂ اشرافیہ کے، لیکن آج وہ

بھی شدید خطرے میں ہے۔ بلکہ ابلیسی تہذیب کے سیلاب میں بہہ چکی ہے۔ چنانچہ آج ہم اللہ کی نصرت و رحمت سے محروم ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلم ممالک کے حکمران مغرب کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور انہیں اپنے اقتدار کا ضامن سمجھتے ہیں۔ سودی معیشت کا نتیجہ ہے کہ ہمیں آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور دیگر عالمی مالیاتی ادارے اپنے شکنجے میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ مسلم ممالک کے حکمرانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے برخلاف اپنے مغربی آقاؤں کے اشاروں پر عفت مآب مسلم خواتین کو خاتون خانہ کی بجائے شمع محفل بنا دیا ہے۔ عریانی و فحاشی کو حکومتوں کی سرپرستی میں فروغ دیا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ہم اخلاقی زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔ اصل میں اس زبوں حالی کی واحد وجہ قرآن حکیم سے ہمارے تعلق کا کمزور پڑنا ہے۔ اگر ہم آپس کے تفرقے کو ختم کر کے امت مسلمہ کی شکل اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اللہ سے اور اس کے دین کے ساتھ اپنا تعلق اس سے مضبوط کرنا پڑے گا۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اس حوالے سے ہم مملکت خداداد پاکستان کے لوگوں کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، ہمارے ملک کا وجود ہی اسلام کے نعرے کی بنیاد کا منت کش ہے۔ الحمد للہ، ہمارے آئین میں وہ کافی کچھ موجود ہے جو اس مملکت کو ایک اسلامی مملکت میں تبدیل کر سکتا ہے اور یہاں نظام خلافت یعنی خلافت راشدہ والے نظام کا قیام ممکن ہے، بشرطیکہ آئین میں موجود اسلامی شقوں پر اس کی حقیقی روح کے ساتھ عملدرآمد کیا جائے۔ اس مملکت میں واقعتاً اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کی جائے جس کا عندیہ قرارداد مقاصد میں دیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں جو سینکڑوں قوانین غیر اسلامی ہیں، ان کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل موجود ہے جو اپنی سفارشیں پیش کر چکی ہے۔ ان سفارشات پر عملدرآمد کے نتیجے میں یہاں قرآن وسنت کی حقیقی بالادستی قائم ہوگی۔ یہاں وفاقی شرعی عدالت موجود ہے، جہاں کسی غیر اسلامی قانون کو چیلنج کیا جائے تو اس بارے میں یہ عدالت فیصلہ دے سکتی ہے۔ تاہم اسی عدالت کو سپریم قرار دینا ہوگا۔ گویا کہ مملکت خداداد پاکستان کو اسلامی ریاست میں تبدیل کرنے کی ہر سہولت ہمارے دستور میں موجود ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دستور ریاست کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ، اپنے شہریوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی زندگی کو استوار کرنے میں ممد و معاون ہو۔ ہمیں صرف اخلاص نیت کی ضرورت ہے۔ اگر ہم پاکستان کو اسلامی ریاست میں تبدیل کر کے یہاں نظام خلافت رائج کر دیں تو اللہ کی رحمت و نصرت ہمارے شامل ہوگی اور اس کی برکات یقینی طور پر ظاہر ہوں گی اور اس سے امت مسلمہ کے عالمی احیاء کا آغاز ہوگا، ان شاء اللہ۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے سو سال قبل ہماری ٹھیک ٹھیک رہنمائی کر دی تھی۔ جواب شکوہ کا آخری شعر ذہن میں لائیے! ہمارے لئے لائحہ عمل اس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

☆☆☆

بقیہ: کارتریاقی

عالمی انسانی حقوق کا علم بردار ہے جو امریکہ، برطانیہ کے عوام کو محفوظ رکھے گا۔ عراق، افغانستان، شام، غزہ، مصر ہر جگہ، پورا مشرق وسطیٰ اور ادھر ہم امن، جمہوریت اور انسانی حقوق کو پرخچوں، چیتھڑوں، خون کی ندیوں اور بدن کے لوتھڑوں کی صورت دیکھ رہے ہیں۔ تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی! مسلمان اجڈ، وحشی، قاتل کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ گلے کاٹتے ہیں۔ تم یورینیم، آلودہ بم، کیمیائی بم (شام میں امریکہ کی چشم پوشی) ہیل فائر میزائل، ایٹم بم (ہیروشیما، ناگاساکی) ڈیزی کٹر، مار کر بھسم کرتے چیتھڑے اڑاتے ہو، سو مہذب ہو۔

غزہ، شام کے بچوں کی لاشیں، دنیا بھر میں جیلوں میں انسانیت سوز مظالم تمہاری تہذیب اور انسانی حقوق کے نغمے الاپنے کی منافقت کے پردے چاک کرنے کو کافی ہیں۔ یہ عالمی جنگ دجل، فریب، جھوٹ اور مکاری کے بین الاقوامی، تاریخی ریکارڈ قائم کر رہی ہے۔ کینیڈین قادری اور گولڈ سمتھ برانڈ عمران خان ملک تہہ وبالا کر دیں تو مہینہ بھر دیکھا کیے! موازنے کے لیے خوشگوار ہوا کے جھونکے کی طرح میڈیا کے لاکھ پردوں سے چھن چھن کر کبھی اجمل خان اور کبھی ایوان ریڈلے جیسی کہانیاں لا کر ہمارے ضمیر سے سوال تو کرتی ہی ہیں۔ چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا! ہم اندھے، گونگے، بہرے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بنے اس جنگ میں منہ اوندھائے 13 سال سے اللہ، آخرت، جوابدہی بھلائے چلے جا رہے ہیں!

اس سے بڑا نہیں المیہ کوئی کہ سعد
مجھ کو اماں نہ دے سکے میرا ہی اپنا گھر

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر راجپوت مغل فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 26 سال، قد "5.5 تعلیم ایم فل اسلامیات، شرعی پردہ کی پابند کے لئے دینی مزاج کے حامل صحیح العقیدہ، اعلیٰ تعلیم یافتہ، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔ برائے رابطہ: 0321-66199005
0332-4389343

☆ رانا راجپوت فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 28 سال، قد "5.3، تعلیم ایم اے کے لئے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ پڑھی لکھی دیندار فیملی قابل ترجیح ہوگی۔ ذات پات کی قید نہیں۔
برائے رابطہ: 0322-9992919

☆ لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 29 سال تعلیم ایل ایل بی (پریکٹس نہیں کی) قد "5.2، ستر و حجاب کی پابند کے لئے لاہور سے دینی مزاج کے حامل پڑھے لکھے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0332-4850541

☆ لڑکی، عمر 26 سال، تعلیم ایم فل، قد "5.4 کے لئے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0332-4850541

دُعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شرقی کی مقامی تنظیم چشتیاں کے ناظم بیت المال چودھری محمد صادق کے بہنوئی دماغ میں رسولی کے آپریشن کے سبب ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی اُن کے لئے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ نقیب اسرہ چوہنگ محمد رمضان قادری کے کچھ عرصے پہلے والد محترم اور اب ایک ماہ کے وقفہ سے والدہ محترمہ وفات پا گئیں۔

☆ مقامی تنظیم ہارون آباد غربی کے رفیق غلام محمد کی والدہ محترمہ انتقال کر گئیں

☆ اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (آمین) قارئین سے بھی دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ
فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

حج بیت اللہ اور خطبہ حجۃ الوداع

فرید اللہ مروت

قومیں اپنی یادگار چیزوں کو نہایت اہمیت دیتی ہیں اور ان کے ساتھ دوررس نفسیاتی و معاشرتی احساسات جوڑتی ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کے ساتھ اپنے آپ کو مربوط کر رکھا ہے۔ یہودیوں نے دیوار گریہ سے وابستگی اختیار کر رکھی ہے اور اس کے ساتھ ایسے حقوق جوڑ رکھے ہیں جن کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نہیں اتاری۔ تب اپنے مقامات مقدسہ سے مسلمانوں کا ارتباط بھی تعجب خیز کیوں ہو؟ کعبہ کی تعمیر اس لئے کی گئی تھی کہ اندر اور اس کے پاس خدائے واحد کی عبادت کے لئے نمازیں پڑھی جائیں۔ اس کی بنیاد ڈالتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہہ دیا گیا تھا کہ (ترجمہ) ''میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔'' (الحج:60)'' اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیجیو اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو صاف رکھا کرو۔''

کعبہ شریف کی مسجد اللہ تعالیٰ کی توحید کی صدا بلند کرنے کے لئے تعمیر کی جانے والی دنیا کی پہلی مسجد ہے۔ کیا اس اولیت کے کچھ حقوق نہیں ہونے چاہئیں۔ کیوں نہیں، پہلا حق تو یہی ہے کہ دنیا بھر میں جو بھی مسجد تعمیر ہو اس کا قبلہ یہی ہو۔ اسی طرح یہ بھی اس کے تسلیم شدہ حقوق میں سے ہے کہ جو بھی کر سکے اپنے قبلہ کی زیارت کرے۔ قرآن کریم اسی طرف اشارہ کرتا ہے: ''بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسان کے لئے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لئے مرکز ہدایت بنایا گیا۔'' (آل عمران: 96) اور اگلی آیت میں فرمایا: ''لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔'' (آل عمران:97) ایک اور جگہ ارشاد ہے: ''مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔'' (البقرہ:144) اسی لئے دنیا کے چار طرف سے لوگ وہاں پہنچتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس گھر کو دیکھ سکیں جس کی طرف منہ کر کے وہ نماز پڑھتے ہیں اور اس کے گرد طواف کر کے اپنا نذرانہ عقیدت پیش کریں۔

طواف کرتے ہوئے حاجی تلبیہ کہتے ہیں:

حج کے تمام اعمال میں جو مسلسل عمل ہے وہ یہی تلبیہ ہے یعنی لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ط لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ '' حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں، سب تعریف اور احسان تیرا ہی ہے اور سلطنت بھی تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔''

حاجی اس گھر کی پرستش نہیں کرتے بلکہ اس گھر کے مالک کی پرستش کرتے ہیں۔ طواف کے لئے بدن کی طہارت کے ساتھ دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص بھی لازمی ہے۔ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ کعبہ شریف خود نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے تو وہ اسلام سے خارج ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو جو کعبہ کا مقدس ترین حصہ ہے مخاطب کر کے مجمع عام میں فرمایا: ''بخدا میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ فائدہ دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر حضور ﷺ تجھ کو بوسہ نہ دیتے تو میں تجھ کو ہرگز بوسہ نہ دیتا۔'' یعنی میرا عمل حضور ﷺ کے عمل کی پیروی ہے اور حضور ﷺ کا عمل اس لئے نہ تھا کہ خود حجر اسود محبوب ہے بلکہ محبوب حقیقی کی محبت کی علامت ہے۔ یہ گھر کے مالک کا حق تھا کہ وہ اپنے گھر کے طواف کا طریقہ مقرر کرے چنانچہ اس نے سات چکر کا طریقہ مقرر کیا تو حیرت کی بات نہیں۔

آج ملت اسلامیہ ڈیڑھ ارب سے زیادہ ہو چکی ہے۔ یہ ان دو عظیم نبیوں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اس بابرکت دعا کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں انتہائی خود سپردگی کی حالت میں اور قیامت تک اپنی آئندہ نسلوں میں سپردگی کا سلسلہ جاری رہنے کے سلسلے میں کی تھی: ''اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا، مہربان ہے۔'' (البقرہ:128)

اس طرح ان دونبیوں نے اللہ سے یہ دعا بھی فرمائی تھی کہ اس امت میں ایک ایسا نبی بھیجے جو اس کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دے اور اسے وحی صادق کی آیات سنائے۔ اُن کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ چنانچہ کئی طویل صدیوں کے بعد خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہوئی۔ کیا ان یادگاروں سے زیادہ اہم اور پیاری تاریخی یادگاریں ہو سکتی ہیں؟ جس گھر کے پاس سے ان کی تاریخ شروع ہوتی ہے اور جس کی تعمیر کے وقت کی دعاؤں کے نتیجے میں نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہوئے۔ اگر مسلمان اس مقام مقدس کی زیارت نہیں کریں گے تو پھر کہاں کا قصد کریں گے؟

کعبہ شریف پتھر کی عمارت ہے اگر وہ سونے یا چاندی کی ہوتی تب بھی اس سے زیادہ قیمتی نہ ہوتی۔ اہمیت تو اس کی تاریخی اور مذہبی حیثیت کی ہے۔ ایک ایسا شخص جسے پوری امت کہا گیا، جس نے اپنے دل کی تمام گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے محبت کی، جو توحید کی وجہ سے آگ میں ڈالا گیا، جس نے اس حقیقت کی سربلندی کے لئے بادشاہوں اور عوام سے کشمکش کی اور جو اس دعوت کے سلسلے میں جگہ جگہ مارا مارا پھرا اور آخر کار اس جگہ پہنچا کہ توحید کا قلعہ تعمیر کرے اور جو اسے تعمیر کرتے ہوئے رب سے دعا کرتا رہا کہ حق کی حمایت اور اس کی سربلندی کے لئے اس کی نسل سے ایک امت پیدا فرمائے۔ کیا اس امت کے لئے تعجب کی بات ہوگی کہ وہ پردۂ غیب سے نمودار ہونے کے بعد اپنے روحانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد کی زیارت کے لئے پروانہ وار پہنچے اور وہاں نعرۂ توحید بلند کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنے والی نسلوں کو آواز دی تھی کہ وہ اللہ کے گھر کی زیارت کریں اور انہوں نے

جو عقیدہ بتایا تھا اس کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط کریں۔ اس پکار کی بازگشت دنیا کے کونے کونے میں سنائی دی گئی۔ کرہ ارض کے لاکھوں کروڑوں دل اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ط لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے امنڈنے لگے۔ بعض لوگ جن میں حاجی بھی ہو سکتے ہیں مناسک حج کے متعلق ان عظیم مفاہیم و معانی کو نہیں سمجھ پاتے۔ کیا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے والوں کا زبردست اِزدحام اس کا پورا شعور رکھتا ہے کہ پہاڑوں کے درمیان یہ دوڑ اللہ تعالیٰ پر توکل کا عقیدہ دلوں میں جمانے کے لئے ہے؟ صدیوں سے یہ علاقہ سب سے الگ تھلگ، وحشت زدہ اور ویران تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شیر خوار بچے اور بیوی کو لے کر وہاں پہنچے اور کمزور ماں سے کہا کہ میں تمہیں یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا دہشت زدہ ہو کر پوچھنے لگیں کہ آپ علیہ السلام مجھے اور اسماعیل کو یہاں چھوڑ جائیں گے جہاں نہ کوئی سبزہ ہے نہ جانور، نہ گھر ہے نہ در۔ کیا آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں۔ حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تب اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ باپ لوٹ گیا، بغیر یہ جانے ہوئے کہ آگے کیا ہوگا۔ اسے جو حکم دیا گیا تھا، وہ بجا لایا تھا۔ پس حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس جب کھانا اور پانی ختم ہو گیا۔ اور مشکل گھڑی آ پہنچی، تو بچے کو موت سے بچانے کے لئے ماں دونوں پہاڑوں کے چکر لگانے لگی کہ شاید کہیں پانی یا کوئی مدد مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کی صورت میں یادگار بنا دیا۔ اب ہر حاجی سات چکر لگاتا ہے۔ واپس آ کے دیکھا تو زمزم کا چشمہ ابل پڑا۔ پانی دیکھ کر چڑیاں منڈلانے لگیں۔ پھر لوگوں نے پانی کی علامت دیکھ کر وہاں آ کر آباد ہونا شروع کر دیا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا اللہ تعالیٰ پر بھروسا رنگ لے لایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ضائع نہیں ہونے دیا۔

اسباب کی قلت یا عدم وجود کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسا ایسا زادِ سفر ہے جس کی ضرورت مجاہدینِ اسلام اور مظلوموں کو خاص طور پر پڑتی ہے کہ آج کی پریشانی کی کوکھ سے کل آسانی نکالنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں کا یہ یقین کمزور پڑا تو اسباب کی موجودگی کے باوجود وہ بہت سے معرکے ہار گئے۔ تاریخ کہتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خاندان کو ویران وادی میں چھوڑ کر روانہ ہو گئے تو شیطان ملا اور ان سے کہنے لگا آپ اللہ تعالیٰ کا ایسا حکم کیوں بجا لائے جس میں آپ کے گھر والوں کی تباہی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں پڑی کنکریاں اٹھا کر اسے مارا۔ یہی بعد میں کنکریاں مارنے کی سنت بن گئی۔

حج کے مناسک مسلمانوں کے جذبات کو اللہ، دین، اور اُن کے ماضی سے جوڑتے ہیں۔ کیا یہ کافی نہیں کہ وہ دنیا کے گوشے گوشے سے پراگندہ حالت میں آ کر وہاں جمع ہوتے ہیں۔ کسی حاکم و محکوم اور رنگ و نسل کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ عرفات کے میدان میں سب مل کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بڑائی کے نعرے لگاتے ہیں۔ اس کے سامنے عاجزی اور گڑگڑاہٹ کرتے ہیں۔ اور وہاں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ذکر ہی نہیں ہوتا۔ روحانی اعتبار سے حج احساسات اور جذبات کو از سر نو زندہ کرتا ہے اور اجتماعی اعتبار سے یہ بڑا قیمتی موقع ہوتا ہے کہ اہل ایمان جامع ہدایات حاصل کریں۔

خطبہ حجۃ الوداع

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر حجۃ الوداع کی صورت میں وہ جامع ہدایات دی تھیں، جو انسانی حقوق کے عالمی منشور کی حیثیت رکھتی ہیں اور مسلمانوں کی ہمہ گیر ہدایات کا روشن عنوان ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

☆ ’’تمام تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں ہم اس کی حمد کرتے ہیں۔ اُسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی کے سامنے اظہار ندامت کرتے ہیں۔ ہم اپنے دلوں کی فتنہ انگیزیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں کے مقابلے میں اسی کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ہدایت کی توفیق نہ دے، اسے کوئی راہ راست پر چلا نہیں سکتا۔

☆ اور میں اعلان کرتا ہوں اس حقیقت کا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اعلان کرتا ہوں اس حقیقت کا کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ کے بندو! میں تم کو اسی (خدائے واحد) کی عبادت کی نصیحت کرتا اور ترغیب دلاتا ہوں۔

☆ میں آغاز کلام اس بات سے کرتا ہوں جو باعث خیر ہے۔ اس (تمہید) کے بعد (میں کہتا ہوں) اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو۔ میں تم کو وضاحت سے بتاتا ہوں، کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ اس سال کے بعد میں تم سے اس مقام پر ملاقات کر سکوں۔

☆ اے لوگو! بے شک تمہارے خون، تمہارے مال (ایک دوسرے پر) اور تمہاری عزتیں حرام کر دیئے گئے ہیں، یہاں تک کہ تم اپنے رب کے حضور جا کے پیش ہو جاؤ۔ ان چیزوں کی حرمت ایسی ہے جیسے آج کا دن محترم ہے تمہارے اس مہینے میں، تمہارے اس شہر میں۔

☆ میرے بعد (اس اتفاق و محبت کو ترک کر کے) تم کہیں پھر کافرانہ ڈھنگ اختیار کر کے ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگو۔

☆ اور کسی کے قبضے میں کوئی امانت ہے تو اسے اس کے مالک کو ادا کر دے۔

☆ اور جاہلیت کے تمام انتقام کالعدم قرار دیئے گئے۔ اور بے شک اپنے خاندان کے خونوں میں سے سب سے پہلا خون جسے میں معاف کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کا خون ہے، جسے رضاعت کے دوران قبیلہ بنی سعد میں قتل کر دیا گیا تھا۔

☆ دورِ جاہلیت کے سودی طریقے ختم کر دیئے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سود کو ختم کرتا ہوں۔

☆ قتل عمد (جان بوجھ کر قتل کرنے) کا قصاص لیا جائے گا۔ شبہ قتل عمد جو لاٹھی یا پتھر کی ضرب سے وقوع پذیر ہو اس کی دیت سو اونٹ مقرر ہے جو اس (دیت) سے زیادہ طلب کرے گا، وہ اہل جاہلیت (اسلام سے باہر) میں شمار ہوگا۔

☆ اے لوگو! شیطان اس بات سے تو ناامید ہو گیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے گی لیکن وہ اس پر بھی خوش ہوگا کہ اس کے علاوہ ان دوسرے گناہوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم ہلکا (معمولی) سمجھتے ہو۔

☆ اے لوگو! تمہاری خواتین کو تمہارے مقابلے میں حقوق دیئے گئے ہیں اور تمہیں ان کے مقابلے میں حقوق دیئے گئے ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ تمہاری خوابگاہوں میں تمہارے علاوہ کسی کو نہ آنے دیں اور کسی ایسے شخص کو (گھر میں) تمہاری اجازت کے بغیر داخل نہ ہونے دیں جس کا داخل ہونا تمہیں پسند نہ ہو۔ کوئی بے حیائی نہ کریں۔ اگر

وہ کوئی ایسی بات کریں تو تم کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ (ان کی اصلاح کے لئے) ان کو جدا کر سکتے ہو اور ایسی بدنی سزا دے سکتے ہو جو نشان ڈالنے والی نہ ہو۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں اور تمہاری اطاعت میں چلیں تو قاعدے کے مطابق ان کا نفقہ (کھانے پینے زندگی بسر کرنے کا خرچ) تمہارے ذمہ ہے۔ یقیناً خواتین تمہارے زیرنگیں ہیں، جو اپنے لئے بطور خود کچھ نہیں کرسکتیں۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور ان کے جسموں کو اللہ کے قانون کے تحت تصرف میں لیا ہے۔ خواتین کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور عمدہ طریق سے ان کی تربیت کرو۔

☆ اے لوگو! بے شک اللہ فرماتا ہے اے لوگو! بیشک ہم نے پیدا کیا ہے تم کو ایک مرد سے اور ایک عورت سے، پھر بنا دیا ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے تا کہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔ بلاشبہ تم میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو (اس آیت کی روشنی میں) کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہے، اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت ہے، مگر تقویٰ کی بنیا پر۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ خبردار! تمام دعوے (فضیلت کے) جو کئے جاتے ہیں خواہ وہ خون کے ہوں یا مال و دولت کے ہوں، وہ سب میرے قدموں تلے ہیں۔

☆ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں۔ ممکن ہے بعض حاضرین کے مقابلے میں بعض غیر حاضر لوگ ان باتوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھیں اور ان کی حفاظت کریں۔

☆ اور تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو اب تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے پکار کر کہا: ’’ہم گواہی دیں گے، بے شک آپ (ﷺ) نے پیغام پہنچا دیا۔ آپؐ نے حق رسالت اور امت کو نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا۔‘‘

(یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت بلند کی۔ اور فرمایا:

☆ اے اللہ! تو (بھی) گواہ رہنا، اے اللہ! تو (بھی) گواہ رہنا، اے اللہ! تو (بھی) گواہ رہنا۔

☆☆☆

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ

’’قرآن اکیڈمی یاسین آباد کراچی‘‘ میں

11 تا 17 / اکتوبر 2014ء

(بروز ہفتہ نماز عصر تا بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ)

مبتدی و ملتزم تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے

نوٹ: ملتزم تربیتی کورس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ رفقاء اِن موضوعات پر دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔

☆ جہاد فی سبیل اللہ ☆ عبادتِ رب ☆ شہادت علی الناس

☆ اقامت دین ☆ اسلام کا انقلابی منشور

اور

17 تا 19 / اکتوبر 2014ء

(بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

نقباء کورس (نئے و متوقع نقباء کے لیے)

کا انعقاد ہو رہا ہے

زیادہ سے زیادہ رفقاء اور امراء و نقباء متعلقہ پروگرام میں شریک ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0345-2789591، 021-34816580-81

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: (042)36316638-36366638

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

مغربی مفکرین کے نزدیک

مسلمان انسان کہلانے کے بھی مستحق نہیں

احمد اعوان

اسرائیل کے غزہ پر حملے کو آج ایک ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔ جس میں 800 بچے شہید ہو چکے ہیں۔ معصوم فلسطینی عید پر بھی اپنوں کے لئے قبریں کھودتے رہے اور کفن خریدتے رہے۔ فرعون کے بعد نیتن یاہو دوسرا شخص ہے جس نے دنیا کی تاریخ میں اتنے بچوں کا قتل کیا ہے۔

تازہ حملوں کے دوران اسرائیل نے ہر اس جگہ بمباری کی ہے جہاں اسے شک ہوا کہ معصوم بچے موجود ہو سکتے ہیں۔ اب چاہے وہ جگہ مسجد، مدرسہ، گھر تھی یا اقوام متحدہ کا قائم اسکول جس میں معصوم بچے اپنے والدین کے ساتھ پناہ گزین تھے۔ اسرائیل نے اپنے ایک حملے میں جب اقوام متحدہ کے قائم اسکول کو نشانہ بنایا تو اس پر اقوام متحدہ کے ترجمان نے صاف الفاظ میں کہا کہ اسرائیل نے جان بوجھ کر اس اسکول کو نشانہ بنایا ہے۔ ہم نے متعدد بار اسرائیل کو اس اسکول کے حوالے سے آگاہ کیا تھا۔'' سوال یہ کہ اسرائیل ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس ''کیوں'' کا جواب اسرائیلی وزیراعظم نے امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن کے ساتھ یروشلم میں مشترکہ پریس کانفرنس میں دے دیا ہے۔ اس نے کہا کہ ''میں جانتا ہوں کہ آپ شہری ہلاکتوں کے بارے میں فکرمند ہیں لیکن ہمیں اس حوالے سے آپ کی فکرمندی کی کوئی پروا نہیں۔ درحقیقت ہم اسکولوں، مسجدوں، ہسپتالوں، یونیورسٹیوں اور بچوں پر حملے کر کے انہیں تباہ کر رہے ہیں اور خاص بات جس کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں وہ یہ کہ شہری ہلاکتیں زیادہ سے زیادہ ہوں، یہ ہماری ترجیح ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ہمارے اس اقدام کی حقیقت کو سمجھیں گے اور اگر آپ ہمارے دفاع کی عقلیت کو سمجھنے سے معذور ہیں تو پھر مجھے آپ کو (ہیلری کلنٹن کو مخاطب کرتے ہوئے) امریکیوں کو، صدر اوباما کو اور اقوام عالم کے سامنے وضاحت پیش کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے''۔

یہ پریس کانفرنس درحقیقت فلسطینیوں کے بہیمانہ قتل عام کے دفاع میں وہ علمی موقف تھا جو اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے دنیا کے سامنے رکھا۔ کسی قوم وملت کی اخلاقیات اس کے مابعدالطبیعیاتی نظام، اس کی الہیات اور اس کی علمیت کے بطن سے طلوع ہوتی ہیں۔ اس لئے اسرائیلی وزیراعظم کی پریس کانفرنس کے حقیقی پس منظر، پیش منظر اور تہہ منظر سے کامل آگہی حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر ہم مسئلے کی جڑ تک پہنچ نہیں سکتے۔ ہمارے لئے یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ اسرائیلی وزیراعظم نے جو کچھ کہا وہ کس علمیت، عقلیت، انسانیت، قاعدے، قانون، اصول ضابطے کی روشنی میں کہا؟

ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اسرائیلی وزیراعظم کی پریس کانفرنس دنیا کی تاریخ میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی کانفرنس تھی یا گفتگو کا یہ انداز کہیں پہلے بھی سنا گیا ہے؟ اگر گفتگو کا یہ انداز پہلے بھی اپنایا جاتا رہا ہے تو وہ گفتگو کس کے خلاف کی گئی؟ مخاطب کون تھا؟ اس قدر سخت اعلان ظلم وبربریت کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ ''مجرم'' قوم یا قبیلے کا جرم کیا تھا؟ اور پھر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ کیا ان کی مدد کرنے کو کوئی تیار نہ تھا جیسے آج فلسطینیوں کی مدد کو کوئی پہنچنے کو تیار نہیں ہے؟ مزید یہ کہ اسرائیلی وزیراعظم کی اس جارحیت کے خلاف امریکا و یورپ کیوں خاموش ہیں؟ ان کے احتجاج کا یہ انداز تو نہیں۔ انہیں جس کی مدد کرنا ہو وہ اس کے لئے فوج مہیا کرتے ہیں۔ لڑاکا جہاز سے اس کی مدد کرتے ہیں مگر فلسطینیوں کے حق میں وہ زبانی جمع خرچ بھی نہیں کر رہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اسرائیل کے دفاع کو جائز سمجھتے ہیں؟ کہیں ماضی میں ایسے مظالم کے طریقے انہوں نے بھی تو نہیں اپنائے تھے؟ اور اگر اپنائے تھے تو کیوں اپنائے تھے؟ اسرائیلی دہشت گردی پر انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں کی خاموشی بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کیا انسانی حقوق کی تنظیمیں فلسطینیوں کو انسان نہیں سمجھتیں؟ اگر انسان ہی نہیں سمجھتیں تو پھر ان کے نزدیک انسان کی تعریف کیا ہے؟ اور اس تعریف پر کون پورا اترتا ہے؟

مسئلہ فلسطین کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ہم تین فریق بنا لیتے ہیں اور ان تینوں سے تین سوال ماضی کی مدد سے پوچھتے ہیں۔ فریق نمبر ایک امریکا جو کہ دنیا میں واحد سپر پاور ہے۔ فریق نمبر دو اسرائیل جو کہ ظالم ہے۔ فریق نمبر تین UNO جو انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ہے۔ سوال یہ ہے کہ فریق نمبر ایک امریکا اور فریق دو UNO کیوں اسرائیل کو نہیں روک رہا؟ سوال نمبر دو اسرائیل یہ ظلم کیوں کر رہا ہے؟ سوال نمبر تین دنیا بھر میں قائم انسانی حقوق کی تنظیمیں کیوں خاموش ہیں؟

سوال نمبر ایک کا جواب یہ ہے کہ امریکا کی تاریخ خود 9 کروڑ ریڈ انڈینز (سرخ ہندی) کے خون سے رنگین ہے۔ اس تاریخ کے اوراق سے آج بھی 9 کروڑ سرخ ہندیوں کے لہو کی بو آتی ہے۔ وہ بھلا آج اسرائیل کو کیسے فلسطینیوں کے قتل عام سے روک سکتا ہے Non killing global political science کے مقدمہ نگار ڈاکٹر سکندر مہدی کے مطابق: یورپی باشندوں نے کولمبس کے امریکا پہنچنے کے صرف اکیس سال کے اندر اندر 80 لاکھ لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی سے شائع ہونے والی امریکی مورخ مائیکل مین اپنی کتاب The Dark Side of Democracy میں بھی امریکی قتل عام کی تعداد 9 کروڑ بتاتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف وائلنس، پیس کنفلکٹ (جلد سوم، اکیڈمک پریس، ص 60، 1999ء) کے مطابق براعظم امریکا میں یورپی باشندوں کی آمد سے لے کر 19 ویں صدی کے اختتام تک تقریباً 10 کروڑ افراد کو قتل کیا گیا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ایک ہزار سال کی معلوم تاریخ میں جتنے لوگ پوری دنیا میں ہلاک ہوئے یا قتل کئے گئے اس سے زیادہ تعداد امریکا کے یورپی آبادکاروں کے ہاتھوں صرف ایک صدی میں قتل کر دی گئی۔ اور یہ قتل دنیا کے مہذب ترین انسانوں کے ہاتھوں ہوئے۔ جو نئی روشنی، رومانی تحریک، عقلیت، علم، بنیادی حقوق، لبرل ازم، انسانیت، آزادی اور انسان کی خدائی کے دعوے کراتے تھے۔ ان کے ہاتھوں صرف ایک صدی میں نو کروڑ سرخ ہندیوں کے نشیمنوں پر بجلیوں کا کارواں گزر گیا۔ یہ امریکی سرخ ہندیوں کو ملحد،

ناپاک، کیڑے مکوڑے، گنوار، کتے، بھیڑیے، سانپ، سور اور بے عقل گوریلے کے نام سے پکارتے تھے، (مائیکل مین کی کتاب صفحہ نمبر 85) ان سرخ ہندیوں پر مظالم کے وہ پہاڑ گرائے گئے کہ آپ اس کا تصور کریں تو آپ کی روح کانپ جائے۔ ان کو شادی کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ ان کے بچوں سے جبری مزدوری کروائی جاتی تھی۔ ان کی عورتوں کو طوائف بننے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ پھر جن عورتوں کو ایڈز لگ جاتا ان کو سرخ ہندی مردوں کو راحت پہنچانے کی اجازت دی جاتی۔ مائیکل مین کتاب کے صفحہ نمبر 88 پر لکھتا ہے کہ 1848 میں کیلی فورنیا کو ملک میکسیکو سے کاٹ کر ریاست ہائے متحدہ امریکا کی ایک ریاست بنا دیا گیا جس کے نتیجے میں سرخ ہندیوں کے بالارادہ قتل میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ اس قتل عام کی بڑی وجہ جبری امراض (ایڈز) بھوک اور افلاس تھی۔ بھوک کی وجہ سے سرخ ہندیوں میں بیماریوں کے خلاف قوت مزاحمت ختم ہوگئی۔ لہٰذا موت ان کا مقدر بنا دی گئی۔ صرف دس فیصد سرخ ہندی براہ راست قتل کئے گئے جب کہ ساٹھ سے ستر فیصد مقامی آبادی کو بھوک، قحط، نسل کشی، عورتوں مردوں کی شادیوں پر قدغن اور خطرناک بیماریوں کے ذریعے جو محض اتفاقی اور حادثاتی نہیں تھیں، قسطوں میں ہلاک کیا گیا۔ باقاعدہ زمینی رقبے پر قبضے کے لئے سرخ ہندیوں کی آبادی کو کم کیا گیا۔ 1848 سے 1860 تک کیلیفورنیا کی ریڈ انڈین آبادی پندرہ لاکھ سے کم ہو کر صرف 31 ہزار رہ گئی۔ جبکہ سفید فاموں کی آبادی 25 ہزار سے بڑھ کر ساڑھے تین لاکھ ہوگئی تھی۔ اور ظلم کی انتہا کہ ان ریڈ انڈینز کو بھی جنھوں نے موت سے بچنے کے لئے عیسائیت قبول کرلی، مارا گیا۔ اور یہ قتل مہذبانہ قتل قرار دیا گیا۔ آج اسرائیل جو ظلم فلسطینیوں پر ڈھا رہا ہے، ماضی میں یہ سب بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت امریکا نے ڈھائے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج کے اسرائیل نے یہ مظالم امریکا کی تاریخ پڑھ کر سیکھے ہوں گے۔ ریڈ انڈین کے لئے مختلف علاقے متعین تھے اور اعلان تھا کہ اگر کوئی سرخ ہندی ان علاقوں سے باہر نظر آئے تو اس کو بھگا دو ورنہ مار دو۔ آج ہم اسرائیلی وزیراعظم کی پریس کانفرنس پر حیران ہیں جبکہ اس پریس کانفرنس سے سخت زبان کبھی امریکی صدور نے ریڈ انڈین کے قتل عام کے لئے استعمال کی تھی۔ امریکی صدر جارج واشنگٹن اپنے جنرل کو احکامات دیتے ہوئے کہتا ہے کہ

''ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد کردیں۔ ان کی تمام باقیات کے خاتمے تک امن کا کوئی نغمہ سننے کی ضرورت نہیں ہے۔...... سرخ ہندی بھیڑیوں کی طرح ہیں۔ دونوں وحشی (انسان نہیں ہیں) ہیں، صرف شکلوں کا فرق ہے۔''

جیفرسن کی زبان سن کر آپ کو احساس ہوگا کہ غالباً نیتن یاہو نے یہ 'روشنی' اسی سے لی ہوگی۔ وہ کہتا ہے کہ

''دشمن قبیلوں کی جڑیں کاٹ دو یا پھر انہیں مسی سپی کے پار دھکیل دو۔ ان وحشی قبیلوں کے مکمل خاتمے کے سوا کوئی بات اہم نہیں ہے۔ ان کی وحشیانہ حرکتیں قتل عام کا جواز ہیں۔ وہ اگر ہمارے چند افراد کا قتل کریں گے تو ہم ان کے تمام افراد کو قتل کریں گے۔''

جیفرسن نے سفید فاموں کے زمینوں پر قبضے کی مکمل پشت پناہی کی۔ اس کے دور صدارت میں 2 لاکھ مربع میل سرخ ہندی زمینوں پر اس کے کارندوں نے قبضہ کیا۔ جیفرسن کہتا تھا کہ سرخ ہندیوں کو قرضے میں جکڑو اور پھر اس کے بدلے ان سے ان کی زمینیں لے لو۔

امریکی صدر جیکسن نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سرخ ہندی بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کردے۔ ایسا نہ کرنا بھیڑیے کو جھولے میں کھلانے کے مترادف ہوگا، یہ جانے بغیر کہ وہ کب بھیڑیا بن کر کچھار میں جا پہنچے۔

لنکن نے بھی سرخ ہندیوں کے خلاف جو احکامات دیئے وہ امریکا کی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ لنکن نے Minnesota (ایک مقام) پر عسکری حملے اور ہندی زمینوں پر قبضے کا حکم جاری کیا۔ اس قبضے کی وجہ سے 1862ء میں سوانی قبیلہ بغاوت پر مجبور ہوا۔ فوج نے اس بغاوت کو کچل دیا اور کئی سو افراد کو گرفتار کرلیا۔ ان میں سے 139 افراد کو پھانسی کی سزا سنائی گئی جو کہ امریکا کی خونی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا۔ جبکہ سزا پانے والوں کے خلاف کافی اور شافی ثبوت موجود نہ تھے۔

امریکا کے پانچویں عظیم صدر روز ویلٹ نے کہا تھا:

''تمام جنگوں میں سب سے عظیم جنگ وہ ہے جو وحشیوں کے خلاف ہے میرے خیال میں بہترین سرخ ہندی وہ ہیں جو مر چکے ہیں اور میرا خیال ہے کہ دس میں سے نو ہلاک ہو چکے ہیں اور دسویں کے بارے میں مجھے کوئی جستجو نہیں ہے۔''

[ان تمام حوالوں کے لئے The Dark side of Democracy سے رجوع کیجیے]

ان پانچ امریکی صدور واشنگٹن، جیفرسن، روز ویلٹ، لنکن اور جیکسن کے بیانات یہ چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اسرائیل کو وہ راہ دکھائی ہے جس پر آج وہ نہتے فلسطینیوں کا قتل عام بغیر کسی جھجک اور شرمندگی کے کر رہا ہے۔ ان سطور کو پڑھ لینے کے بعد آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر کار یورپی آبادکاروں نے سرخ ہندیوں یعنی ریڈ انڈین کا قتل عام کیوں کیا؟ آخر ان کے مابین کیا تنازعہ تھا؟ اس کا جواب مغربی فلسفی دیتے ہیں برطانوی عظیم فلسفی جان لاک (John Lock) کہتا ہے کہ ہم نے بہت کوشش کی ریڈ انڈین انسان بن جائیں، مگر وہ نہیں بنے۔ جس کے بعد ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا تھا کہ ہم ان کو قتل کردیں۔ اور وہ یہ جواب کہ وہ ''انسان نہیں بنتے تھے'' بطور حجت اور دلیل کے دیتا ہے۔ اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر انسان وہ نہیں جسے ہم عام طور پر انسان سمجھتے ہیں تو انسان کون ہے؟

جدیدیت اور فلسفہ انسان پرستی کا سب سے بڑا فلسفی کانٹ any efforts at all. میں اپنے مضمون What is enlightenment میں لکھتا ہے: ''وہ شخص جو کسی کتاب یعنی وحی الٰہی، کسی روحانی رہنما یعنی عالم دین یا کسی ڈاکٹر سے ہدایت لیتا ہے وہ روشن خیال شخص نہیں ہے اور جو شخص روشن خیال نہیں ہے وہ انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں ہے۔ انسان تو وہ ہے جو ان تمام خارجی ذرائع علم سے آزاد ہو۔ حق ہمیشہ کسی تصور خیر سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی تصور یا کوئی عقیدہ ہی ہوتا ہے جس کے بعد کسی کا حق اس کی روشنی میں نکل کر سامنے آتا ہے۔ انسانی حقوق کے تصور میں خیر آزادی ہے۔ آزادی ہر خارجی عوامل سے چاہے وہ خارجی ذریعہ علم خدا، وحی الٰہی، عالم دین کی رہنمائی ہو یا روایتی اصول ہوں۔ یہی خارجی عوامل انسان کو اس کی زندگی کے مختلف موقعوں پر مدد اور رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ لہٰذا انسانی حقوق صرف اور صرف اس انسان کے لئے ہیں جو روشن خیالی کے عقیدے پر ایمان رکھتا ہو اور روشن خیالی کے عقیدے کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ انسان ہدایت اور رہنمائی کے لئے صرف اپنے اندر دیکھے اور جو اس کا من چاہے۔ جیسا اس کا من چاہے یہ ویسا ہی کرے بغیر کسی وحی اور عالم کی مدد کے۔''

کانٹ نے تو پھر بھی ہلکا ہاتھ رکھا تھا۔ بات تب تک مکمل سمجھ نہیں آسکتی جب تک ہم جان رالز کے خیالات نہ جان لیں۔ وہ اس صدی کا سب سے بڑا سیاسی فلسفی ہے۔ جدید لبرل سیکولر جمہوری دستوری ریاستیں

جان رالز ہی کے فلسفے کے تحت کام کرتی ہیں جو اس کی مشہور کتاب Theory of Justice میں بیان کیا گیا ہے۔ رالز کا شاگرد ڈربن جو خود ایک مشہور فلسفی ہے اپنی کتاب Rawls and Political Liberalism میں صاف صاف لفظوں میں لکھتا ہے کہ ”لبرل آئینی دستوری جمہوری ریاست ایک ایسا الخیر اور الحق ہے ہے جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ عہد حاضر میں کوئی احمق اور جاہل ہی ہوگا جو کسی ایسی آزاد جمہوری لبرل ریاست میں رہنا پسند نہ کرے۔ اس طرح کی ریاست میں رہنے کے جو فوائد ہیں اگر کوئی ان کو سمجھنے سے قاصر ہے تو مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے احمق شخص کو کیسے قائل کیا جائے۔ جو شخص اس نظام کے سوا کسی اور نظام، عقیدے، نظریئے کی بات کرتا ہے جو کسی اور نظام زندگی کو جدید ریاست سے بہتر نظام زندگی سمجھتا ہے، وہ اس قابل ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ ایسے جاہل شخص کو دلیل کی ضرورت نہیں۔ جمہوری سیاسی لبرل نظام کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے کسی بحث و مباحثے کی ضرورت نہیں۔“

عہد حاضر کی تمام جدید جمہوری لبرل ریاستوں کا نظام کانٹ، جان والز اور ڈربن کی تشریحات کی روشنی میں چل رہا ہے اور مغرب اس کو الحق سمجھ کر قبول کرتا ہے اور نافذ کرتا ہے اور کراتا ہے، چاہے کوئی نظام اس کو اپنے ہاں کسی بھی نام سے پکارے، مگر مغرب کے نزدیک اس کے نئے نظام زندگی کی علمی اساس دراصل انہی فلسفیوں کے یہ اقوال ہیں۔ اس کی تازہ مثال ہمیں برطانوی وزیر اعظم کے اس جواب سے بھی ملتی ہے جس میں اس نے سعیدہ وارثی کے استعفا کا جواب دیا ”سعیدہ وارثی کا استعفا دینا بھی ہمارے لئے مسئلہ ہے مگر ہم اسرائیل کے دفاع کے حق کو تسلیم کرتے ہیں“۔ اب ان اقوال اور تشریحات کی روشنی میں فلسطین میں حماس، افغانستان میں طالبان، الجزائر میں اسلامک فرنٹ اور مصر میں اخوان کو دیکھیں آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ مغرب ان کا دشمن کیوں ہے اور وہ ان کے خلاف ظلم و تشدد کے نت نئے حربے کیوں اختیار کرتا اور تجربے کیوں کرتا ہے اور باقی دنیا صرف زبانی جمع خرچ سے آگے مزید کچھ کیوں نہیں کرتی؟ انہی فلسفیوں کی یہ تشریحات بتاتی ہیں کہ راسخ العقیدہ مسلمان ان کے ہاں انسان کی تعریف پر پورا نہیں اترتے، لہٰذا ان مسلمانوں کا قتل جائز ہے۔

❁❁❁

اظہار خیال

ہمارا اندرونی خلفشار اور ہمارے ایٹمی اثاثوں کو لاحق بیرونی خطرات

محمد سمیع

اللہ تعالیٰ کی ہستی بھی کتنی بے نیاز ہے۔ قربان جایئے اس کی شان بے نیازی کے۔ اس نے معجزانہ طور پر ہمیں ایک آزاد مملکت عطا فرمائی۔ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانان برصغیر ہند نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! اگر تو ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی دوہری غلامی سے نجات کے لئے ایک آزاد خطہ ارضی عطا فرما دے تو ہم وہاں اسلام کا بول بالا کریں گے۔ اللہ جانتا تھا کہ آج جو اس عاجزی کے ساتھ دعا گو ہیں، کل جب انہیں آزادی مل جائے گی تو وہ بھول جائیں گے کہ انہوں نے کیا وعدہ کیا تھا۔ وہ تو دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ لیکن اس نے اپنی شان بے نیازی کا مظاہرہ فرمایا اور دعا کو شرف قبولیت بخشا اور پاکستان بن گیا۔ لیکن اس کے بعد صرف چوبیس برس کے عرصے میں ہم نے وہ کچھ کیا جس کے نتیجے میں ہمیں اپنی غلط روی کی سزا سقوط ڈھاکہ کی صورت میں ملی اور ہمارا دایاں بازو ہم سے جدا ہو گیا۔ ایک بار پھر فسادات کی وہی تاریخ دہرائی گئی جو قیام پاکستان کے فوراً بعد سامنے آئی تھی، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ وہ فساد مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تھا لیکن یہ فساد مسلمانوں اور مسلمانوں کے درمیان برپا ہوا اور جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانی کی تاریخ دہرائی گئی اور دشمنوں کو یہ طنز کرنے کا موقع ملا کہ دیکھو جنت میں فرشتے لڑ رہے ہیں۔

بھارت تو مملکت خداداد پاکستان کو مکمل طور پر ختم کرنے پر تلا ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی بے نیاز ہستی پھر کام آئی۔ واشنگٹن سے بھارت کو کہا گیا کہ enough is enough۔ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے ذریعے اپنے بندوں کو تباہی سے بچانے پر قادر ہے۔ لہٰذا بقیہ پاکستان بچ گیا۔ اس وقت کے حکمرانوں نے اسے نئے پاکستان کا نام دیا لیکن آج یہ نیا پاکستان کچھ لوگوں کو راس نہیں آ رہا ہے اور وہ اسے مزید نیا پاکستان بنانے کے درپے ہیں۔ پرانے پاکستان کے بعد نیا پاکستان بنانے والوں نے پاکستان کا جو حشر کیا وہ ہمارے سامنے ہے اور اب جو لوگ اسے مزید نیا پاکستان بنانا چاہتے ہیں اس کے بعد ہمارا کیا حال ہوتا ہے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ الاماں والحفیظ۔

بھارت کے قائدین ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد اپنے آپے میں نہ رہے اور انہوں پاکستان کو تباہ کرنے کی بھڑک مارنی شروع کی۔ پھر وہ ہوا جو کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی ایک بار پھر ہمارے کام آگئی۔ اس نے ہمیں ایٹمی قوت سے نواز دیا جس کے بعد بھارت کے قائدین کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ لیکن ہم پھر بھی اپنی غلط روی سے باز نہ آئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ملک میں ایک خلفشار برپا ہے اور ہمارے دشمن اس تاک میں ہیں کہ کسی طرح ہماری ایٹمی قوت کا خاتمہ کر دیں۔ ہم عراق کے ایٹمی پلانٹ کا حشر دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح اسرائیل نے حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا تھا۔ یہ تو اللہ کا خصوصی کرم ہے کہ ہمارا ایٹمی اثاثہ اب تک محفوظ ہے۔ اللہ اسے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین

آج کل ایک بار پھر ہمارے کالم نگار اور دانشور حضرات ہمارے ایٹمی اثاثوں کو لاحق خطرات کا اپنے کالموں میں تذکرہ کر کے قوم کو خبردار کرنے میں مصروف ہیں۔ قارئین کی معلومات کے لئے ذیل میں وہ خدشات پیش کئے جا رہے ہیں جو ہمارے کالم نگاروں نے اپنے کالموں میں ظاہر کئے ہیں۔ امریکا سے سینئر صحافی عظیم ایم میاں کا خیال ہے کہ آج بھی پاکستان اپنے تمام تر خراب حالات کے باوجود مسلم دنیا کا ایک ایسا ملک ہے

کہ اگر خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہوا تو پوری مسلم دنیا جو بھارت اور اسرائیل کے درمیان واقع ہے اپنی سلامتی اور دفاع کی جنگ دو دن کے لئے بھی نہ لڑ سکے گی اور نہ ہی ٹھہر سکے گی۔ پاکستان کی بقا اور ''دہشت گردی'' کی جاری جنگ میں کامیابی افغانستان سمیت مسلم دنیا کے لئے ڈھال بن کر خطرات کو ٹال سکتی ہے اور مسلم دنیا کے لیڈر اپنی مملکت اور قوم کے بچاؤ کی تدابیر کر سکتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ آزادی مارچ اور انقلاب مارچ کی ممکنہ کامیابی کی صورت میں پاکستان کے لئے ایک ایسی آزادی اور ایسی انقلابی تبدیلی دیکھ رہا ہوں کہ جو پاکستان کو ایک نظام اور آئین کے احترام سے خالی غیر ذمہ دار اور خود سر ہجوم کے گروہوں والا ملک قرار دے اور پھر اس کے ایٹمی اثاثوں کو لاحق خطرات اور عالمی امن کے لئے خطرہ قرار دے اور پھر اس کو ایٹمی اثاثوں کی حفاظت سے آزادی دے کر انہیں عالمی تحویل میں لینے کا مرحلہ بھی آسکتا ہے، تاکہ ایٹمی اثاثوں سے محروم ہو کر آزاد پاکستان ایک انقلاب شدہ پاکستان اپنی تبدیل شدہ سمت میں سفر کر سکے۔ اگر یہ صورتحال پیدا ہوئی تو وزیرستان میں داخلی طور پر مصروف خود پاکستانی فوج عالمی برادری کے سامنے کیا جواز پیش کر سکے گی۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ شخصی انتقام اور اقتدار کی خواہش کو...... اندھے کو بھی نظر آ رہا ہے کہ...... ''انقلاب'' یا ''آزادی'' کا نام دینا نظام میں تبدیلی نہیں، تقسیم اور منافرت پھیلانے کا فعل ہے۔ اگر آئین اور حکومتی نظام کی دیواریں بھی گرادی جائیں تو ملک کا وفاق ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ تو پھر عالمی طاقتیں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گی کہ پاکستان میں بدامنی ہے۔ ایٹمی ہتھیاروں کی حفاظت پاکستان نہیں کر سکتا۔ لہٰذا عالمی تحویل میں لے کر اس سے عالم کو لاحق خطرات دور کئے جائیں۔ مجھے پاکستان مخالف سابق سینیٹر لیری پریسلر کا وہ بیان یاد آ رہا ہے جو انہوں نے بھارت اور پاکستان کے دورے کے موقع پر دیا تھا کہ اگر پاکستان بم بنا بھی لے تو پاکستانیوں کو خود یہ بم اپنے چوراہوں پر پھوڑنا پڑے گا۔ خدا نہ کرے ہمارے قائدین وہ صورتحال پیدا کریں جو لیری پریسلر کے اس کئی سال پرانے بیان کو درست ثابت کر دے۔

معروف دانشور اور آئی ایس آئی کے سابق چیف جنرل (ر) حمید گل کہتے ہیں کہ 14 اگست کے مارچ پاکستان کو ڈی نیوکلرائز کرنے کی سازش ہیں۔ دشمن ممالک پاکستان میں خانہ جنگی کرانا چاہتے ہیں۔

نصرت مرزا ملک کے معروف صحافی ہیں جن کی عالمی حالات پر گہری نظر رہتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دھرنوں سے بے چینی اور بڑھتے ہوئے انتشار کے بطن سے جو چیز داؤ پر لگ رہی ہے وہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے۔ اگرچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مغرب پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو کنٹرول کرنے کا خیال دل سے نکال دے مگر وہ باز نہیں آتا۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ انتشار پیدا کرنے کے جو عوامل ہیں ان سب کا ڈائریکٹر ایک ہی ہے۔ موجودہ حکومت ہو یا نئی پیدا ہونے والی جمہوریت کے علمبردار، پاکستانیوں کی خواہش ہے کہ معاملات کو ایک حد سے آگے نہیں جانا چاہئے۔ آپ مظاہرہ کرتے رہیں۔ حکومت کو دباؤ میں لاتے رہیں مگر انتہا کو نہ چھوئیں کہ بند گلی میں پھنس جائیں۔ کیونکہ مغربی ممالک کے ڈھنڈورچی، دانشور اور تحقیقاتی رپورٹنگ کا لبادہ اوڑھ کر اس صورتحال کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر سوالیہ نشان قرار دے رہے ہیں کہ کیا کسی ایسے ملک کے پاس ایٹمی ہتھیار ہونے چاہئیں جہاں انارکی پیدا ہونے جا رہی ہے۔

دھرنوں سے پیدا شدہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک اور معروف صحافی سلیم یزدانی کہتے ہیں کہ حکومت کو معاملات افہام وتفہیم اور مذاکرات سے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ وہ کون لوگ ہیں جن کے مشوروں نے حکمرانوں کو ایک ایسی جگہ پر لا کھڑا کیا ہے کہ انہیں جمہوریت کو بچانے کے لئے فوج بلانی پڑی۔ ٹکراؤ کی سیاست کا یہی نتیجہ نکلنا ہے جو ہو رہا ہے۔ یہ مرحلہ تو ٹل ہی جائے گا۔ اب جوہری پروگرام کی فکر کریں، جس پر دشمنوں کی نظر ہے۔ دشمنوں کا اور سازشوں کا مقابلہ اتحاد سے ہو سکتا ہے، انتشار اور نفاق سے نہیں۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ میں قادری صاحب اور عمران خان صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ وہ پاکستان کی سلامتی کا خیال رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ انتشار اور خلفشار دیکھ کر کہیں دشمن یہ مطالبہ کرنے لگیں کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ایک ناکام ریاست میں بڑا خطرہ ہے۔

آخر میں آتے ہیں دفاع کے وفاقی وزیر خواجہ آصف کی طرف۔ انہوں نے ایک بیان میں ان خطرات کی نشاندہی کی ہے جو پاکستان کے جوہری ہتھیاروں کو مغربی ممالک سے لاحق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مغربی ممالک پاکستان کے جوہری پروگرام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا کے کسی مسلم ملک کے پاس جوہری ہتھیار نہ ہوں۔ تین سال قبل جنرل کیانی نے امریکی صدر کو اپنے خدشات سے آگاہ کیا تھا اور انہیں بتایا تھا کہ واشنگٹن پاکستان میں افراتفری اور انارکی پیدا کرنا چاہتا ہے، تاکہ پاکستان کو جوہری ہتھیار سے پاک کیا جائے۔

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صحافی ہوں، دفاعی تجزیہ نگار ہوں یا حکومتی وزیر، سب اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارا جوہری پروگرام خطرات کی زد میں ہے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم قوم کو دشمنوں کی سازشوں کے معاملے میں تو کیا کسی معاملے میں متحد ومتفق کرنے میں ناکام رہے ہیں، جس کا دشمن فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اسلام جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو متحد کر دیا تھا جس کے نتیجے میں ہم یہ آزاد مملکت حاصل کر سکے صد افسوس کہ اسے بھی متنازعہ بنا دیا گیا ہے۔ مذہبی فرقہ واریت تو ہمارے ہاں کا ایک مستقل مسئلہ ہے، جس کو حل کرنے میں آج تک کوئی حکومت کامیاب نہیں ہو سکی۔ تحریک طالبان پاکستان کی سرگرمیوں نے اسلامی نظام کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں کنفیوژن پیدا کر رکھا ہے۔ ایسے میں وہ کون سی شے ہے جو ہمیں ایک بار پھر متحد کر سکتی ہے۔ وہ ایک حقیقی اسلامی انقلاب ہے جو ہمیں مستقبل قریب کیا، مستقبل بعید میں بھی برپا ہوتا نظر نہیں آتا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔ اس کے لئے عوام کو علماء کرام کی رہنمائی درکار ہے۔ اب یہ علماء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے ذہنوں سے اسلام کے بارے میں پیدا کئے گئے کنفیوژن کو دور کریں اور دین حق کے غلبے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔ اب تک ہم اللہ کی شان بے نیازی کے طفیل دشمنوں کی سازشوں سے بچے ہوئے ہیں، لیکن اگر ہم نے اس سے سرکشی کا رویہ ترک نہ کیا تو اس کی یہ بے نیازی استدراج میں بدل سکتی ہے جس کا انجام تباہی و بربادی ہے۔ یاد رکھئے، خدانخواستہ اگر ہمارے جوہری پروگرام پر دشمن قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس مملکت کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری سیکورٹی کے لئے ایک ڈیٹرنٹ مہیا کر دیا ہے۔ اب اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

دین قربانی مانگتا ہے!

حافظ محمد عاصم قاسمی

اس زمانے نے دنیا پر رونما ہونے والے مختلف احوال وواقعات کو دیکھا۔ کبھی اللہ کی رحمت کی شکل میں اور کبھی اللہ کے عذاب کی شکل میں، کبھی نوح علیہ السلام کو اپنے امتیوں سمیت طوفان سے بچنے کی شکل میں اور کبھی نوح علیہ السلام کے بیٹے کو طوفان میں غرق ہونے کی شکل میں۔ کبھی قوم عاد وثمود کو اللہ کی عطا کردہ طاقت اور لمبے قد کی شکل میں اور کبھی اُن پر آگ اور پتھروں کی بارش کی شکل میں۔ کبھی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرف سے انہیں کنویں کے اندر ڈالنے کی شکل میں اور کبھی اُن کے اپنے بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی شکل میں۔ کبھی بنی اسرائیل پر اللہ کے بے شمار انعامات کی شکل میں اور کبھی ان کا انبیاء کو قتل کرنے کی شکل میں۔

آخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب اس زمانے نے مکہ کے اندر پھیلی ہوئی افراتفری کو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ میں اکٹھے ہیں اور اُن کے چہروں پر غصے اور پریشانی کے آثار ہیں اور آپس میں محو گفتگو ہیں کہ ایک بزرگ وہاں آتا ہے اور کہتا ہے کہ نجد کا رہنے والا ہوں۔ تمہاری اس پریشانی میں تمہاری مدد کو آیا ہوں۔ وہ اس کو بھی شریک گفتگو کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک شخص کہتا ہے، کہ اُس آدمی کی وجہ سے ہمارے بیٹے ہم سے جدا ہو گئے، ہمارے بھائی رشتہ دار ہم سے الگ ہو گئے۔ اچھے بھلے آرام سے زندگی بسر ہو رہی تھی۔ لیکن اُس شخص نے ہمارے لئے کئی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ آج ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اُس کا کیا کیا جائے؟ ہر کوئی اپنی رائے پیش کرتا ہے لیکن وہ بزرگ سب کی رائے کو ٹھکرا دیتا ہے، اور اس میں نقص نکالتا ہے۔ آخر ایک آدمی کی رائے پر سب اتفاق کرتے ہیں۔ وہ رائے تھی کہ اُس کو قتل کر دیا جائے اور تمام قبیلوں میں سے ایک ایک نوجوان چنا جائے اور ایک ہی بار میں سب مل کر اُس کو ختم کر دیں، تاکہ قتل کا الزام کسی ایک قبیلے پر نہ لگے۔

آپ سب جان چکے ہوں گے کہ یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ کوئی قصہ کہانی نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی تاریخی واقعہ ہے۔ جب مشرکین مکہ دعوت حق کو پھیلتا دیکھ کر بوکھلا گئے اور آپؐ کے قتل کا گھناؤنا شیطانی منصوبہ بنایا۔ منصوبے کے تحت وہ نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے گئے۔ آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا، لیکن اللہ کی مشیت کہ اللہ نے آپؐ کو ہر خطرے سے بچا لیا۔ آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور کہا کہ اللہ نے ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً کہا کہ میں نے اس کے لیے پہلے سے تیاری کر رکھی ہے اور سفر کے لئے دو اونٹنیاں بھی پال رکھی ہیں۔ چنانچہ آپؐ ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ ہجرت مدینہ کے پُرخطر سفر پر روانہ ہو گئے۔

ہم سفر ہجرت اور دیگر صحابہ کرامؓ کو پیش آنے والے خطرات پر مبنی واقعات کو اکثر اپنے اجتماعات میں بیان کرتے ہیں، لیکن ہم نے کبھی اس پر غور کیا کہ کیوں اللہ نے اُن لوگوں کو تکلیفوں میں سے گزارا۔ کیا (نعوذ باللہ) اللہ اپنے بندوں کو تکلیف دے کر خوش ہوتا ہے؟ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ایمان اور کفر کے فرق کو لوگوں پر واضح کرنا چاہتا ہے اور اپنے ان الفاظ کو حقیقت کا روپ دینا چاہتا ہے جو اس نے قرآن پاک کے اندر ارشاد فرمائے: ''کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا۔'' (العنکبوت:2) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے خوف سے اور بھوک سے اور مالوں کے نقصان سے اور جانوں کے اور پھلوں کے نقصان سے اور خوشخبری ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔'' حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو اپنے وقت کے تاجروں کے بادشاہ ہیں لیکن جب اسلام قبول کیا تو اپنا سب کچھ اسلام کی راہ میں لگا دیا۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ بھی آیا جب آپؓ اپنا سب راہ خدا میں قربان کر دیا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج ہم اپنی زندگی میں کس حد تک اسوۂ رسول اور آپؐ کے وفادار صحابہؓ کے طرز زندگی کی پیروی کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے! دین قربانی مانگتا ہے۔ اللہ اپنے دین کے غلبہ اور سربلندی کے لئے کسی کا محتاج نہیں، لیکن وہ اپنے بندوں سے قربانی کا تقاضا کرتا ہے اور انہیں آزمائشوں سے گزارتا ہے، تاکہ یہ دیکھے کہ جو دعویٰ ایمان وہ کر رہے ہیں اس میں کس حد تک سچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اُن کے ایمان میں کمزوری ہوتی ہے، پکے ایمان والوں سے الگ کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسی انسان پر دین کا تصور واضح ہے تو وہ ضرور اس کے لیے تگ ودو کرے گا اور اس تگ ودو کے نتیجے میں اُسے لازماً مشکلات سے واسطہ پڑے گا، جن پر اُسے صبر کرنا ہوگا۔ اور دین کے لیے جس درجے کی کوشش ہوگی قربانی بھی اس درجے کی دینا پڑے گی۔ یعنی اگر آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی خواہش نفس کو کچلنا پڑے گا۔ وقت نکالنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر آپ غلبہ واقامت دین کے لئے کوشش کریں گے تو آپ کو اس کے لئے اپنا وقت، اپنا مال قربان کرنا پڑے گا، حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی قربان کرنے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ اللہ ہم سب کو دین کے اس تقاضے کو سمجھنے پھر اس کے لئے اسی درجے کی قربانی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

★★★★★

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

Project for the New American Century-(ii)

A Roadmap to US Imperialistic Agenda

IMPORTANT AGENDAS PUT FORTH BY PNAC

After its title page, the report features a page entitled "About the Project for the New American Century", quoting key passages from its 1997 "Statement of Principles":

“[What we require is] a military that is strong and ready to meet both present and future challenges; a foreign policy that boldly and purposefully promotes American principles abroad; and national leadership that accepts the United States’ global responsibilities. Of course, the United States must be prudent in how it exercises its power. But we cannot safely avoid the responsibilities of global leadership of the costs that are associated with its exercise. America has a vital role in maintaining peace and security in Europe, Asia, and the Middle East. If we shirk our responsibilities, we invite challenges to our fundamental interests. The history of the 20th century should have taught us that it is important to shape circumstances before crises emerge, and to meet threats before they become dire. The history of the past century should have taught us to embrace the cause of American leadership.”

In its "Preface", in highlighted boxes, *Rebuilding America's Defenses* states that it aims to:

Establish four (4) Core Missions for the U.S. military:

- defend the American homeland;
- fight and decisively win multiple, simultaneous major theater wars;
- perform the "constabulary" duties associated with shaping the security environment in critical regions;
- transform U.S. forces to exploit the "revolution in military affairs"

and that

To carry out these four (4) core missions, we need to provide sufficient force and budgetary allocations. In particular, the United States must:

1. **Maintain Nuclear Strategic Superiority**, basing the U.S. deterrent upon a global, nuclear net assessment that weighs the full range of current and emerging threats, not merely the U.S.-Russia balance.
2. **Restore the Personnel Strength** of today's force to roughly the levels anticipated in the "Base Force" outlined by the Bush Administration, an increase in active-duty strength from 1.4 million to 1.6 million.
3. **Reposition U.S. Forces** to respond to 21st-century strategic realities by shifting permanently based forces to Southeast Europe and Southeast Asia, and by changing naval deployment patterns to reflect growing U.S. strategic concerns in East Asia.

It specifies the following goals:

- **Modernize Current U.S. Forces Selectively**, proceeding with the F-22 program while increasing

- purchases of lift, electronic support and other aircraft; expanding submarine and surface combatant fleets; purchasing Comanche helicopters and medium-weight ground vehicles for the Army, and the V-22 Osprey "tilt-rotor" aircraft for the Marine Corps.
- **Cancel "Roadblock" Programs** such as the Joint Strike Fighter, CVX aircraft carrier, and Crusader howitzer system that would absorb exorbitant amounts of Pentagon funding while providing limited improvements to current capabilities. Savings from these canceled programs should be used to spur the process of military transformation.
- **Develop and Deploy Global Missile Defenses** to defend the American homeland and American allies, and to provide a secure basis for U.S. power projection around the world and control the new "international commons" of space and "cyberspace", and pave the way for the creation of a new military service – U.S. space forces – with the mission of space control.

1. **Exploit the "Revolution In Military Affairs"** to insure the long-term superiority of U.S. conventional forces. Establish a two-stage transformation process which
    - maximizes the value of current weapons systems through the application of advanced technologies, and,
    - produces more profound improvements in military capabilities, encourages competition between single services and joint-service experimentation efforts.
    - Increase Defense Spending gradually to a minimum level of 3.5 to 3.8 percent of gross domestic product, adding $15 billion to $20 billion to total defense spending annually.

The report emphasizes:

"Fulfilling these requirements is essential if America is to retain its militarily dominant status for the coming decades. Conversely, the failure to meet any of these needs must result in some form of strategic retreat. At current levels of defense spending, the only option is to try ineffectually to "manage" increasingly large risks: paying for today's needs by shortchanging tomorrow's; withdrawing from constabulary missions to retain strength for large-scale wars; "choosing" between presence in Europe or presence in Asia; and so on. These are bad choices. They are also false economies. The "savings" from withdrawing from the Balkans, for example, will not free up anywhere near the magnitude of funds needed for military modernization or transformation. But these are false economies in other, more profound ways as well. The true cost of not meeting our defense requirements will be a lessened capacity for American global leadership and, ultimately, the loss of a global security order *(a.k.a. The New World Order: writer)* that is uniquely friendly to American principles and prosperity."

Writer's Note: **This was just a snapshot of the degree to which our real enemies are willing to go in order to pursue their goals.**

(CONCLUDED)

Researched and written by: Muhammad Raza ul Haq